بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ربوہ

پاکستان

الفرقان

ماہنامہ

نومبر ۱۹۵۸ء

ادارہ تحریر

ایڈیٹر :- ابو العطاء جالندھری
نائب ایڈیٹر :- مسعود احمد دہلوی
خورشید احمد شاد

سالانہ چندہ

پاکستان و ہند کیلئے :- پانچ روپے
بیرونی ممالک کے لئے :- دس شلنگ

شانِ قرآن مجید

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاکیزہ کلام میں سے

شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں — غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے
کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اسکا گہنا — دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے
دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں — خالی ہیں ان کی قابیں خوانِ ہُدیٰ یہی ہے
اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا — راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے
اس نے نشاں دکھائے طالب سبھی جلائے — سوتے ہوئے جگائے بس حق نما یہی ہے
پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے — دُنیا سے وہ سدھارے توشہ نیا یہی ہے
کہتے ہیں حُسنِ یوسف دلکش بہت تھا لیکن — خوبی و دلبری میں اس سے سوا یہی ہے
یوسف تو سُن چکے ہو اک چاہ میں گرا تھا — یہ چاہ سے نکالے اس کی صدا یہی ہے
اسلام کے محاسن کیونکر بیاں کروں میں — سب خشک باغ دیکھے پھولا پھلا یہی ہے
ہر جا زمیں کے کیڑے دیں کے ہوئے ہیں دشمن — اسلام پر خدا سے آج ابتلا یہی ہے
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو یہ دیکھ کر کہ ہر سُو — اس غم سے صادقوں کا آہ و بُکا یہی ہے
سب مشرکوں کے سر پر یہ دیں ہے ایک خنجر — یہ شرک سے چھڑائے ان کو اذیٰ یہی ہے
کیوں ہوگئے ہیں اسکے دشمن یہ سارے گمرہ — وہ رہنما ہے راز بے چون و چرا یہی ہے
دیں غار میں چھپا ہے اک شور کفر کا ہے — اب تم دعائیں کر لو غارِ حرا یہی ہے
وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد
شمارہ نمبر ۱۱

الفرقان - ربوہ - پاکستان

ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ
نومبر ـــ ۱۹۵۸ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ

کا

ارشاد اور ہمارا فرض

سالانہ جلسہ کے موقع پر ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو تقریر کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے رسالہ الفرقان کے ذکر پر فرمایا:۔

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس۳۰ چالیس۴۰ ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"

(الفضل ۵ر جنوری ۱۹۵۶ء)

اس ارشاد کی روشنی میں ہمارا

کیا فرض ہے؟

اس سوال کا جواب آپ خود

عنایت فرمائیں!

فہرست مندرجات

(۱) شانِ قرآن مجید (نظم) حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ٹائیٹل ص ب
(۲) السلام علیک ایّھا النبیّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - ایڈیٹر ص۲
(۳) چند تبلیغی لطائف " ص۳
(۴) المقتبسات - ماخوذ ص۷
(۵) خوراک کی مشکلات اور ان کا حل جناب ڈاکٹر محمد عبد اللہ خان صاحب کوئٹہ ص۹
(۶) حواریوں کی دعائے طعام جناب شیخ عبد القادر صاحب کوئٹہ ص۱۴
(۷) عیسائی دوست کے نام تبلیغی خط۱ مکرم محمد اعظم صاحب کوٹ مومن ص۱۸
(۸) عیسائی دوست کے نام تبلیغی خط۲ مکرم محمد اسلم صاحب شاد گجراتی ص۲۱
(۹) البیان ـــ قرآن مجید کے دو رکوع کا ترجمہ و مختصر تفسیر - ابو العطاء ص۲۵
(۱۰) صلیبی موت کے اسباب کا تجزیہ جناب ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب ص۳۲
(۱۱) حضرت لقمانؑ کا اپنے بیٹے کو وعظ (نظم) جناب لطف الرحمٰن صاحب ناز ص۴۰
(۱۲) سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت ـــ یومِ وصال ماخوذ ص۴۱

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہمیشہ کے لئے زندہ ہے

اسلام نے جس قدر زور توحید کے قیام پر دیا ہے اور جس طرح ہر قسم کے شرک سے مسلمانوں کو بیزار رہنے کی تلقین کی ہے اس کے پیش نظر یہ کوئی اچنبھے بات نہیں کہ ایک مومن کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہم نماز میں التحیات پڑھتے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کس طرح کہتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو وفات پا چکے ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں آپ کا روضہ مطہرہ موجود ہے۔ خطاب تو زندہ سے ہوتا ہے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں تو کیا آپ کو اس طرح خطاب کرنا شرک میں داخل نہیں؟

۳۱-اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مجلس انصار اللہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا تھا۔ اس اجتماع کے پروگرام میں "سوالات وجوابات" بھی تھے۔ یکے بعد دیگرے حاضرین سوال پیش کرتے تھے اور حسب پروگرام ان سوالات کے جواب دیئے جا رہے تھے۔ ایک دوست نے سوال کیا۔ کہ اس امر کی وضاحت کی جائے کہ نماز میں التحیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے جو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہا جاتا ہے کیا یہ شرک نہیں؟

اس سوال کا جو مختصر جواب خاکسار نے اس مجلس میں دیا تھا اُسے افادۂ عام کیلئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ کہ التحیات میں جو سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جاتا ہے اس کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے التحیات میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت یعنی محمدؐ بن عبد اللہ کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ ہم النبی کو مخاطب کرتے ہیں۔ اور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہتے ہیں۔ بلاشبہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیت محمدؐ بن عبد اللہ فوت ہو چکے ہیں اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ آپ انسان تھے اور ہر

انسان پیدا ہوتا اور وفات پاتا ہے اسلئے آپ کا فوت ہونا بھی لازمی تھا۔ لیکن جہاں تک آپ کے نبی ہونے کا سوال ہے اور جہاں تک آپ کے فیوض نبوت ورسالت کے جاری رہنے کا سوال ہے آپ جس طرح آج سے چودہ سو سال پیشتر نبی تھے آج بھی نبی ہیں۔ اور تا قیامت نبی ہیں۔ جس طرح چودہ سو سال پہلے آپ کی اتباع اور پیروی سے انسانوں کو روحانی زندگی ملتی تھی اور وہ خدا کے مقرب بنتے تھے اسی طرح آج بھی اور ہمیشہ کے لئے یہ فیضان جاری ہے اور جاری رہے گا۔ آج بھی النبی الحیّ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی انسانوں کو روحانی زندگی بخشتی ہے۔ اور آج بھی آپ کی اتباع سے تمام روحانی نعمتیں ملتی ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ نبوت تو سب انبیاء کی مسلم ہے مگر آج زندہ نبوت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آج آپ ہی کی پیروی سے انسان خدا رسیدہ بن سکتا ہے۔ اس سے شرف مکالمہ و مخاطبہ پا سکتا ہے اور اس کی بارگاہ میں مقرب بن سکتا ہے۔ پس آج زندہ نبی صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور کوئی نبی یہ شان اور مرتبت نہیں رکھتا۔

التحیات میں جس سلام کی ہمیں تعلیم کی گئی ہے اس میں النبی کا لفظ ہے اور بحیثیت النبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاشک وشبہ زندہ ہیں۔ اس لئے ہم السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ میں النبی کو مخاطب کر کے ہی آپ پر سلام کہتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شرک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ایسا مقرر کرنا ضروری تھا۔ تا اُمت مسلمہ ہمیشہ یاد رکھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں۔ آپ کے فیوض و برکات جاری وساری ہیں۔ آپ کی پیروی واقعی کمالات نبوت بخشتی ہے اور سچ یہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ آپ کے جام سے پینے والے ہمیشہ کی زندگی پاتے ہیں اور تمام افراد اُمت اپنے اپنے ظرف کے مطابق زندگی حاصل کرتے ہیں۔

دراصل یہ ایک لطیف نکتہ تھا جس میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے روحانی زندگی پانے کا طریق بتایا گیا تھا۔ شرک یا خدائی میں مشابہت پیدا کرنے والی کوئی بات نہ تھی۔ مبارک وہ ہے جو اس بات کو سمجھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں +

بقایا داران الفرقان

اپنے بقایا جات جلد ادا فرما کر ادارہ سے تعاون کریں

(مینجر)

چند تبلیغی لطائف

(۱)

جب مَیں فلسطین میں تھا (۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۶ء)۔ ایک دن ایک عالم الشیخ عبد اللطیف العبوشی اپنے چند شاگردوں کو لیکر میرے پاس دار التبلیغ (حیفا) میں تشریف لائے اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مَیں نے جونہی دروازہ کھولا تو اپنے تلامذہ کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے کہ مَیں ان کو لایا ہوں تا ان کے سامنے آپ کو لاجواب کر دوں۔ مَیں نے کہا کہ جناب پہلے اندر تشریف لائیے، قہوہ نوش فرمائیے پھر ہم آپکے سوالات پر بھی غور کرینگے۔ چنانچہ وہ اندر آ گئے۔ مَیں نے فوراً سٹوو پر قہوہ تیار کرکے ان سب کے سامنے رکھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر ان سے کہا کہ اب آپ فرمائیں کیا سوال ہے۔ شیخ عبد اللطیف صاحب نے فرمایا کہ آپکا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں آپ بتائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کہاں ہے؟ مَیں نے کہا کہ ہمارا اعتقاد از روئے قرآن مجید یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی انبیاء کی طرح وفات پا گئے ہیں مگر ہمیں انکی قبر سے کیا سروکار؟ وہ قبر کہیں بھی ہو ہم نے کوئی اس قبر کی پرستش کرنی ہے۔ قابلِ غور صرف یہ بات ہے کہ آیا قرآن مجید حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا اعلان کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر قبر کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

میرے اس جواب پر شیخ مذکور نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا مَیں نے تم کو نہ کہا تھا کہ آج اس قادیانی سے وہ سوال کروں گا جس کا اسکو جواب نہ آئے۔ پھر ان سے پوچھنے لگا کہ کیا تم لوگوں نے الخلیل (حضرت ابراہیمؑ کے نام پر فلسطین کا ایک شہر ہے جہاں پر حضرت ابراہیمؑ اور بعض اور انبیاءؑ کی قبریں ہیں۔ یہودی اِس شہر کو جبرون کہتے ہیں) دیکھا ہے؟ اور کیا اس جگہ نبیوں کی قبریں بھی دیکھی ہیں؟ طلبہ نے کہا کہ جی ہاں دیکھا ہے وہاں پر انبیاء کی قبریں بھی دیکھی ہیں۔ اس پر الشیخ العبوشی نے دریافت کیا کہ کیا ان قبروں میں حضرت مسیحؑ کی قبر بھی ہے؟ طلبہ نے نفی میں جواب دیا۔ استاد نے فرمایا کہ بس معلوم ہو گیا کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر وہاں موجود نہیں اسلئے وہ آسمانوں پر زندہ ہیں۔ پھر استاد صاحب فاتحانہ انداز میں مجھے کہنے لگے کہ آج تو آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی نشاندہی کرنی پڑے گی ورنہ انہیں زندہ ماننا پڑیگا مَیں آپ کو لاجواب کرکے جاؤں گا۔

مَیں نے مزید نرم لہجہ میں شیخ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت اِس سوال کو چھوڑیئے یہ عقیدہ وفاتِ مسیحؑ سے براہِ راست متعلق نہیں ہمیں ان کی قبر سے کیا واسطہ۔ ہم کوئی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ ان کی قبر تلاش کرکے انکی پرستش شروع کر دیں۔ میری اِس مناظرانہ حکمتِ عملی کو نہ سمجھتے ہوئے شیخ مذکور اور زیادہ اصرار کرنے لگے۔ گویا ان کا سوال وہ پتھر ہے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اِس دوران میں لگتا ہے کہ آپ اپنے طلبہ سے داد خواہ بھی ہوتے تھے۔

مَیں نے کہا۔ دیکھئے جناب قبر کا اتا پتہ بتانے

سے یہ معاملہ ختم نہ ہوگا۔ آپ پھر دوسرے لاانتہای سوالات کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ مثلاً یہ کہ وہ کس بیماری سے فوت ہوئے تھے؟ کس وقت فوت ہوئے تھے؟ کس تاریخ کو اور کس موسم میں فوت ہوئے تھے؟ ان کا علاج کون کرتا تھا؟ ان کو کیا کیا دوا دی گئی تھی؟ ان کو غسل کس نے دیا تھا؟ کفن کس نے پہنایا تھا؟ ان کی قبر کس نے کھودی تھی؟ ان کو لحد میں کس نے اتارا تھا؟ وغیرہ۔ بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لیں کہ قرآن مجید ان کو وفات یافتہ قرار دیتا ہے یا نہیں؟۔ اگر قرآن مجید سے ان کی وفات ثابت ہو جائے تو ہمیں عقیدہ کے لئے دوسری جزوی باتوں میں پڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تاریخی تحقیقات کا مسئلہ الگ ہے۔

میری اس تشریح کو انہوں نے پھر جواب سے گریز قرار دیکر طلبہ کو اپنی نمایاں فتح کی طرف توجہ دلائی اور مجھے کہنے لگے کہ آج تو ہم آپ کو ادھر ادھر جانے نہ دیں گے۔ ہم وفات مسیحؑ از روئے قرآن مجید پر کوئی گفتگو نہ کریں گے۔ بس آپ ہم کو صرف یہ بتا دیں کہ اگر حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں تو ان کی قبر کہاں ہے؟ اور اگر آپ ان کی قبر کا نشان نہیں بتا سکتے تو ہماری طرح ان کو آسمانوں پر زندہ مان لیں۔ میں اسی ایک سوال پر حصر کرتا ہوں۔

جب میں نے دیکھا کہ سادہ فطرت نوجوان طلبہ کے چہروں سے بھی کچھ حیرت کا اظہار ہونے لگا ہے گویا وہ میرے انداز کلام کو پوری طرح سمجھ نہیں رہے۔ تب میں نے پہلو بدلتے ہوئے شیخ صاحب سے کہا کہ گویا آپ حضرت مسیحؑ کی قبر کی نشاندہی کے بغیر کسی اور بات پر راضی نہ ہوں گے؟ انہوں نے سر ہلاتے ہوئے اس کی تصدیق کی۔ میں نے کہا کہ لیجئے پھر میں آپ کو حضرت مسیحؑ کی قبر کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ اس پر استاد بھی چونکا اور طلبہ بھی ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ میں نے پوری ثقاہت سے آہستہ سے یہ فقرہ کہا:۔

"اِنَّ قَبرَ عیسیٰ فی جنب قبر نوح علیہما السلام"

کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر حضرت نوحؑ کی قبر کے پہلو میں ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ استاد پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور طلبہ بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ تھوڑے سے وقفہ کے بعد الشیخ العبوشی فرمانے لگے:۔

"فاین قبر نوح لا ندری قبرہ"

کہ حضرت نوح کی قبر کہاں ہے؟ ہمیں تو اس کا پتہ نہیں۔

میں نے بطور لطیفہ کہا کہ جناب! حضرت نوحؑ کی قبر حضرت عیسیٰؑ کی قبر کے بائیں جانب ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی اس کے دائیں طرف۔ آپ حضرت نوحؑ کی قبر بتا دیں میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر دکھا دوں گا۔ میں نے استاد کی حیرانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم نے الخلیل میں حضرت نوحؑ کی قبر دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں وہاں تو حضرت ابراہیمؑ اور بعض دیگر نبیوں کی قبریں ہیں۔ نوحؑ کی قبر تو وہاں نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا پھر وہ بھی آسمانوں پر زندہ ہیں؟ کہنے لگے کہ حضرت نوحؑ زندہ تو نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر قبر کے معلوم نہ ہونے کو آسمانوں پر زندہ ہونے کی دلیل کیونکر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اس مرحلہ پر استاذ صاحب پر بھی اپنی بودہ دلیل کی حقیقت منکشف ہو چکی تھی اور

المقتبسات

(۱)

جماعت بغیر امام کے نہیں بن سکتی

شیعہ صاحبان کی موجودہ حالت

شیعہ اخبار "صداقت" گوجرہ لکھتا ہے:-

"ہماری جماعت کی سب سے بڑی تنظیمی رکاوٹ ہماری عدم مرکزیت ہے۔ عالمی شیعی تنظیم سے قطع نظر پاکستان میں ہمارا کون سربراہ قوم وملت اور دینی پیشوائے جماعت ہے۔ جس کا حکم ہمارے لئے بلاچون وچرا قابل تسلیم ہے اور جس کی قیادت وسیادت پر ہم بلا خوف تردید کامل ایمان و اعتماد رکھتے ہیں۔

یاد رکھئے! جس قوم اور جماعت کا ایک رہنما۔ ایک مذہبی پیشوا اور ایک سربراہ نہیں وہ قوم کبھی منظم نہیں ہو سکتی۔ کشمکش حیات میں اس کا بقاء و استحکام مشکل ہے۔

جب بکریوں کا ایک ریوڑ بغیر گڈریا اور ایک اونٹوں کا گلہ بغیر ساربان کے ایک گھنٹہ کے لئے خطرہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو ایک لاکھوں انسانوں کا ایسا گروہ جس سے اہل وطن بھی نفرت وتعصب کرتے ہوں کس طرح بغیر مرکزی نگہبان اور محافظ وسربراہ کے زندہ رہ سکتا ہے۔ ہماری پارٹی بازی تقسیم در تقسیم ادارہ اور کانفرنس اور قومی شکار کے فن کار شکاری دوستوں کی جنگ اقتدار۔ محراب ومنبر کے خطیب اور پیشہ ور واعظین ذاکرین کی پیشہ ورانہ رقابت۔ رؤسا قوم کے سیاسی اغراض۔ تجار قوم کے ذاتی منفعت بخش رجحانات۔ غرباء عوام کی بے راہ روی اور عدم راہنمائی کے واقعات ایسے ہیں کہ ان پر جس قدر غور وفکر کیا جائے اتنا کم ہے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا نزاعی مسئلہ کہ قائد رئیس دینی ہو یا رئیس دنیاوی ہماری ذہنیت میں ابھی تک سمایا ہوا ہے۔ **رئیس دینی ایسا فی الحال موجود نہیں جو بجا صفت وموصوف ہو۔**

اور "رئیس دنیاوی" ایسا نظر نہیں آتا جو اس بارِ عظیم سے عہدہ برآ ہو سکے۔ پھر "رئیس دینی" کا "رئیس دنیاوی" سے آجکل جو سیاسی گٹھ جوڑ اور "رئیس دنیاوی" کی "رئیس دینی" سے قومی ملی بھگت ہے وہ ایسی خطرناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ قومی مفاد، دینی امور سے قطع نظر "شیعہ سیاسیات" میں ہمارے ہاں یہ دونوں حضرات مل کر ایسے فیل ہو چکے ہیں کہ ہمارے عوام اب ان پر کلی اعتماد سے دور بھاگتے اور انکی سیرت و کردار کے عملی نمونوں سے بہت خائف ہو چکے ہیں۔"

(صداقت گوجرہ ۲۹ ستمبر ۵۸ء)

(۲)

مسلمان اور لقب کنتم خیر امۃ

جناب مولوی محمد داؤد صاحب غزنوی لکھتے ہیں:۔

"میری اور ہر محبِ وطن کی نہایت دلسوزی اور اخلاص کے ساتھ یہ دعا ہے کہ بار خدایا! اس نئے نظام کو ہمارے ملک کے لئے امن و برکت کا باعث بنا۔ ہماری بدحالیوں کو خوشحالیوں میں تبدیل کر۔ ہماری پریشانیوں کی جگہ اطمینان اور سکینت پیدا کر۔ بداخلاقی کے بجائے ہمیں مکارم اخلاق سے متصف کر۔ ہماری لادینی اور غیر شرعی زندگی کی جگہ ہمیں اسلامی زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کر۔ ہمارا وجود جو اس وقت اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ ننگ ہو رہا ہے اسے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لئے باعثِ عزت بنا۔ ہم "کنتم خیر امۃ" کے معزز لقب سے محروم ہو گئے تھے خداوند قدوس تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم پھر اس عزت و اکرام کے مستحق ہو جائیں۔"

(الاعتصام ۳۱ اکتوبر ۵۸ء)

(۳)

اُمت کی اصلاح کیونکر ہوگی؟

مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی لکھتے ہیں:۔

"مذہب کے نام پر مسلمان اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے حتیٰ کہ اپنی زندگی قربان کرنے کے لئے بھی وہ ہنسی خوشی تیار ہو جاتا ہے۔ اس لئے آج مسلمانوں کے دکھوں اور دردوں کا علاج — کتاب و سنت کی تعلیم اور صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیوں کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے اور بقول امام مالکؒ

لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔

امت کے آخری دور کی اصلاح اسی سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے ابتدائی عہد کی اصلاح ہوئی تھی۔"

(الاعتصام ۳۱ اکتوبر ۵۸ء)

(۴)

واشنگٹن (امریکہ) میں جماعت احمدیہ کے مرکز کا ذکر

غیر مبائعین کے مبلغ خان بہادر غلام ربانی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"واشنگٹن میں جماعت ربوہ کے مرکز

کے متعلق بھی کچھ اظہار خیال کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس مرکز کی جگہ اور عمارت کے انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے۔ یہ مقام واشنگٹن کے اس حصہ میں ہے جو ہر لحاظ سے پسندیدہ ہے۔ اور تقریباً تمام ممالک کے سفارتخانے اسی حصۂ شہر میں واقع ہیں اور واشنگٹن کی عالی شان مسجد بھی اسی مقام کے قریب ہے۔ علاوہ ازیں یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ مذکورہ مکان بہت صاف ستھرا اور اچھا مزین رکھا ہوا ہے۔ نیچے کا ایک کمرہ بطور مسجد زیر استعمال ہے۔ اور ایک کمرہ بطور دفتر و لائبریری کا ہے اوپر کی منزلوں میں رہائش کے وسیع اور موزوں متعدد کمرے ہیں۔ لائبریری میں اچھی قیمتی کتابیں ترتیب وار رکھی ہوئی ہیں اور مفت لٹریچر بھی موجود ہے رسالہ سن رائز SUN RISE بھی اسی دفتر سے شائع ہوتا ہے۔ اس عمارت اور مسجد کا نام "فضل عمر مسجد" ہے۔ اور ساتھ ہی ایک خالی جگہ بھی ہے جہاں پر مسجد بنانے کی تجویز زیر غور ہے۔ میں نے اس تھوڑے عرصہ میں دیکھا کہ مسٹر خلیل احمد ناصر صاحب ایک مستعد نوجوان ہیں جو نہ صرف علمی لحاظ سے بہتر نظر آتے ہیں بلکہ پسندیدہ اخلاق و اطوار کی وجہ سے وہاں کی سوسائٹی میں ہر دلعزیز ہیں۔ تبلیغی لیکچروں کا سلسلہ انہوں نے اچھے وسیع پیمانے پر علاوہ ادائیگی فرائض امامت اخبار "سن رائز" کے جاری رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ جنرل ضیاء الدین نے بھی میرے سامنے ان کی تبلیغی جدوجہد کو سراہا۔ تیسرے دن شام کو میجر جنرل صاحب مجھے واشنگٹن کے ہوائی اڈہ پر رخصت کرنے کے لئے میرے ہمراہ تشریف لائے۔"

(پیغام صلح ۱۵ اکتوبر ۵۸ء)

چند تبلیغی لطائف (بقیہ صفحہ ۵)

وہ میرے ابتدائی بظاہر گریز کو میری چالاکی پر محمول کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ نے پہلے ایسا انداز اختیار کر کے ہمیں اپنے سوال پر پختہ کر دیا۔ اچھا آپ نوح کا معاملہ چھوڑ دیں ہم قبر کے معاملہ کو حضرت عیسیٰ کی زندگی پر دلیل نہیں ٹھہراتے آپ ہمیں بتائیں کہ تاریخی طور پر آپ کیا مانتے ہیں؟

اب فضا صاف تھی اور ذہن اطمینان سے غور کرنے کے لئے تیار تھے۔ میں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کی آیت وَاٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ میں اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت مسیح کی زمین پر آخری قرارگاہ وہ خطہ ارضی ہے جو عمدہ پہاڑی وادی ہے اور شفاف بہتے پانیوں کا علاقہ ہے یہ سرزمین کشمیر ہے۔

پھر میں نے اس بارے میں انہیں پوری تفصیل بتائی جسے وہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے۔ اور بالآخر ایک ایک فنجان قہوہ پی کر شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(باقی پھر)

خوراک کی موجودہ مشکلات اور اُن کا علاج

(از جناب ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب کوئٹہ)

(۴)

دُودھ

غذائیت کے لحاظ سے یہ ایک مکمل چیز ہے۔ قدرت نے اس میں وہ تمام چیزیں رکھ دی ہیں جو ایک جاندار کے واسطے ضروری ہیں۔ دودھ کے جُز (۱) پروٹین (۲) شکر (۳) روغنی چیز (۴) کیلشیم اور دیگر نمکیات ہیں۔ تازہ دودھ میں سب ضروری وی ٹے مین موجود ہیں۔ اسی لئے جو بچے ماں کے دودھ پر پلتے ہیں اُن کو ان وی ٹے مین وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ گائے کے دودھ کو جوش دینے سے کچھ وی ٹے مین ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا البیومن سخت ہو جاتا ہے۔ یہ دودھ کے اور اجزاء کے ساتھ مل کر بالائی کی شکل میں دودھ کی سطح پر آجاتا ہے۔ انسان کا بچہ اس کو ہضم نہیں کر سکتا۔ گائے کے دودھ میں انسان کے دودھ کی نسبت البیومن دگنا ہوتا ہے لیکن شکر اور روغن کی مقدار تقریباً یکساں ہی ہوتی ہے۔ اس لئے جب ہم گائے کے دودھ میں پانی ملا کر اس کا البیومن انسانی دودھ کے برابر کرتے ہیں تو شکر اور روغن (چربی) آدھا ہو جاتا ہے۔ شکر تو ہم چینی کی شکل میں ملا لیتے ہیں۔ لیکن روغنی چیز نہیں ملاتے۔ پھر جوش دینے سے کچھ وی ٹے من ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اگر بچہ کو گائے کا دودھ دینا ہو تو اس کی ترکیب یہ ہے:-

(۱) گائے کا تازہ دودھ ایک لمبے جگ میں ڈال کر کسی ٹھنڈی جگہ ایک گھنٹہ تک رکھیں۔ جگ ڈھکا ہوا ہو۔ اس عرصہ میں دودھ کا بھاری حصہ جس میں البیومن ہوتا ہے نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ اور ہلکا حصہ جس میں نمکیات اور روغنی حصہ زیادہ ہوتا ہے اُوپر آجاتا ہے۔ اس میں سے اُوپر کا نصف کسی برتن میں آسانی کے ساتھ نکالیں اور اس میں جتنا پانی ڈالنا ہو ($\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{2}$ تک) ڈال کر اس کو آگ پر رکھ دیں اور ایک جوش دیکر فوراً اُتار لیں۔ یہ برتن دودھ سمیت کسی ٹھنڈی اور صاف جگہ میں رکھ دیں۔ جب بچے کو دودھ دینا ہو اس برتن میں سے الگ پیالی وغیرہ میں نکال کر دیں۔ اس برتن کو پھر اسی طرح ٹھنڈی جگہ رکھ دیں۔ پیالی کا دودھ موسم کے لحاظ سے گرم کر کے بچے کو پلائیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ ڈیری سے اگر کریم مل جائے تو ہر پیالی میں دو چمچی کریم ڈالکر بچے کو دیں۔ کریم بڑے شہروں میں تو ممکن ہے مل جائے لیکن دیہات اور قصبہ جات میں ملنی مشکل ہے۔ ایسے بچے کو جو یہ دودھ پیتا ہو ملٹی وی ٹے من

دینا ضروری ہے۔ اگر یہ دوائی دستیاب نہ ہو تو کسی پھل مثلاً مالٹا وغیرہ کے عرق کی ایک چمچ کچھ پانی ملا کر دن میں دو تین بار دینا چاہیئے۔ اور کریم کی جگہ خالص گھی کے چند قطرے ہر پیالی میں ڈال دینے چاہئیں۔ یہ وی ٹےمن اے اور ڈی کی جگہ کام دیں گے۔

خشک دودھ جو ڈبوں میں آتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو Non fat جس میں سے روغنی حصہ نکال لیا جاتا ہے۔ یہ قسم بچوں کے واسطے مفید نہیں۔ بڑی عمر کے انسان کے لئے اچھا ہے۔ لہذا بچوں کو یہ نہ دیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں روغنی حصہ موجود ہوتا ہے۔ یہ بچوں کو دے سکتے ہیں۔ ہر ڈبہ پر اس کی ہدایات لکھی ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق یہ بچے کو دیں۔ اس خشک دودھ میں وی ٹےمن سی (C) نہیں ہوتا اگر ہو بھی تو نہایت کم ہوتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ وی ٹےمن سی (C) یا کسی پھل کا عرق ضرور دینا چاہیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ خشک دودھ بہت گراں ہے۔ عوام الناس اس کو استعمال نہیں کر سکتے۔ امریکہ نے اس خشک دودھ کے لاکھوں ڈبے پاکستان بھیجے ہیں لیکن یہ سب Non fat ہیں۔ یہ دودھ ہضم تو آسانی سے ہو جاتا ہے لیکن نان فیٹ بچوں کے لئے مفید نہیں۔ دودھ دینے والا جانور گائے، بھینس، بکری وغیرہ صحت مند اور تندرست ہو۔ اسکو اچھا چارہ دیا جائے۔ اچھی صاف جگہ رکھا جائے۔ دودھ نکالنے والے کے ہاتھ صابون اور پانی سے دھوئے جائیں۔ برتن بھی نہایت صاف اور گرم پانی سے دھویا ہوا ہو۔

اب ہم ان اشیاء کے استعمال کی بابت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اشیاء کا استعمال باقاعدہ ہو، ان کو بے جا مصرف اور ان کو ضائع ہونے سے بچایا جائے تو یہ قومی کفایت شعاری کا بڑا حصہ ہے۔ بچہ کے دودھ کی بابت تو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ عام خوراک کی بابت یہ ہے کہ اوسطاً ایک شخص کی روزانہ خوراک میں تقریباً چھ چھٹانک آٹا یا چاول۔ نصف سے ایک چھٹانک تک گھی، چربی یا تیل۔ دو چھٹانک کے قریب گوشت، دال یا انڈے وغیرہ۔ دو چھٹانک روزانہ سبزی ہونا چاہیئے۔

آٹے کی بابت یہ ہے کہ گندم کو پیسنے سے پہلے خوب صاف کر لیا جائے۔ آٹا نہ بہت باریک ہو نہ بہت موٹا، درمیانی درجہ کا ہو۔ اس کو چھانا نہ جائے۔ آٹا گوندھ کر اگر خمیر کر لیا جائے تو اور اچھا ہے۔ خمیری روٹی فطیری روٹی سے زیادہ مفید ہے کیونکہ اس میں ایک حد تک وی ٹےمن 'بی' پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر روٹی خاص انتظام کے ماتحت دکان پر پکائی جائے تو اس میں کفایت ہو سکتی ہے لیکن موجودہ تنور یا داشٹ وغیرہ ایک تو صحت گندے اور دوسرے روٹی میں آٹا کم اور قیمت کم از کم دو آنے۔ یہ ناقابل برداشت ہے۔

اگر آٹا ایک مقررہ وزن میں ہو اس کا گوندھنا صفائی کے ساتھ ہو، اس کا پکانا اور رکھنا طبی صفائی کے ساتھ ہو، پکانے کی جگہ اور پکانے والا طبی طور پر صاف ہو۔ اس سے گھروں میں عورتوں کو محنت اور لکڑی سے نجات مل جائے گی۔ اور خریدنے والا بھی اپنی ضرورت کے

مطابق خرید لے گا۔ آٹے کے خرچ پر بھی پورا کنٹرول رہے گا۔ لیکن بظاہر یہ کام پاکستان میں نہیں ہے اور مشکل ہے۔ اس وقت روٹی تنور سے دو آنے میں ملتی ہے اس میں مشکل سے چھٹانک یا سوا چھٹانک آٹا ہوگا۔ بہرحال قومی کفایت شعاری کے واسطے یہ تجویز قابلِ غور ہے۔[1]

یہ ضروری نہیں کہ صرف گندم ہی روٹی کے لئے استعمال ہو۔ دوسرے اناج مثلاً مکئی، جوار، باجرہ بھی جہاں یہ اناج زیادہ پیدا ہوتے ہیں روٹی کیلئے استعمال ہو سکتے ہیں یا کسی اور شکل میں بطور خوراک کام میں آسکتے ہیں۔ اسی طرح چنا ہے۔ یہ جانوروں اور انسانوں دونوں کے واسطے استعمال ہو سکتا ہے۔

چاول

پاکستان کے ایک بڑے حصہ کی خوراک چاول ہے۔ بنگال میں تو صرف چاول ہی گندم کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن سندھ میں بھی اس کی خوراک کم نہیں۔ چاول کی بابت یہ ہے۔ کہ باریک اور باسمتی چاول کی نسبت موٹے یا سرخ رنگ کے چاول میں غذائیت زیادہ ہے۔ اسی طرح نیا چاول بہ نسبت پرانے چاول کے زیادہ مفید ہے۔ چاول پر ایک تہ البیومن دار چیز کی ہوتی ہے۔ یہ تہ بعض چاولوں پر ان کی نوکوں پر پتلی ہوتی ہے۔ خاص کر باسمتی اور باریک سفید چاولوں پر۔ جب ان کو جوش دیا جاتا ہے تو دونوں سروں پر سے یہ البیومن کی تہ پھٹ جاتی ہے اور چاول دونوں طرف لمبا ہو جاتا ہے۔ بعض چاولوں پر یہ تہ سروں پر موٹی اور درمیان میں پتلی ہوتی ہے۔ ایسا چاول لمبا نہیں ہوتا بلکہ جوش کھا کر موٹا ہو جاتا ہے۔ خیر یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں۔ غذائیت کے لحاظ سے چاول موٹا ہو یا لمبا اس میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جو بات نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ چاول ہو یا گندم کا دانہ اس میں سب سے زیادہ قیمتی حصہ وہ ہوتا ہے جو چھلکے کے عین ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ گندم کا بھوسہ آسانی سے نکل جاتا ہے اور دانہ کے اوپر کا خول سخت ہوتا ہے۔ اس لئے گندم کے دانہ کا یہ حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ البتہ آٹا چھاننے سے چوکر کے ساتھ یہ حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے گندم کے ذکر میں لکھا ہے کہ گندم کو پیسنے سے پہلے صاف کر لو۔ پیسنے کے بعد آٹے کو مت چھانو۔ تاکہ اس کا یہ قیمتی جزء ضائع نہ ہو۔ لیکن چاول کا معاملہ مختلف ہے اس کے اوپر کا بھوسہ دانہ سے آسانی سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی دانہ کے اوپر چھلکا ہوتا ہے جو اسکے اندر کے جزء کو محفوظ رکھ سکے۔ لہذا جب دھان (چاول معہ بھوسے کے) مشین میں لایا جاتا ہے تو بھوسے کے ساتھ ہی چاول کے اوپر والا قیمتی جزء ضائع ہو جاتا ہے۔ خاص کر پالش ہونے میں تو چاول اس جزء سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ پہلا طریقہ جس میں دھان کو اوکھلی میں کوٹ کر چاول نکالے جاتے تھے بہت اچھا تھا۔ اس میں چاول ٹوٹ تو جاتے تھے لیکن ان کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔

آجکل ایک طریقہ استعمال کرتے ہیں وہ سیلا بنانا ہے۔ لیکن وہ بھی غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ دھان کو محض گرم پانی میں بھگو کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ پھر ان کو پانی سے نکال کر اور سکھا کر مشین سے چاول نکالتے ہیں۔ اس طرح چاول میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے یہ سب تکلیف اٹھائی جاتی ہے۔ اصل طریقہ یہ ہے کہ دھان کو ابلتے (جوش کھاتے) ہوئے پانی میں ڈبو کر

[1] جناب ڈاکٹر صاحب کا مضمون مارشل لاء گورنمنٹ کے وجود میں آنے سے بہت پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ الحمد للہ کہ اب بہت حد تک اصلاح ہو رہی ہے۔

نکال لیا جائے اور خشک کرکے چاول نکالے جائیں۔

جوش کھاتے ہوئے پانی میں ڈبونے سے چاول کی سطح کا البیومن سخت ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر اُبلتے ہوئے پانی میں رہنے سے اس میں بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سطح کا البیومن سخت ہونے سے چاول کے کسی حصہ کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ چاول پر ایک غلاف سا بنا دیتا ہے جو اس کے تمام اجزاء کی حفاظت کرتا ہے۔

ہمارا چاول کے پکانے کا طریقہ بھی اچھا نہیں ایک تو ہم پانی اتنا ڈالتے ہیں کہ چاول اس کو جذب نہیں کر سکتا۔ پھر چاولوں کو نچوڑ کر اس پانی (پیچ) کو پھینک دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا تمام عرق پھینک دیتے ہیں صرف پھوک باقی رہ جاتا ہے۔ چاول پکانے کی اصل ترکیب یہ ہے کہ چاول بھگو کر رکھیں۔ پکانے والی دیگچی کے درمیان میں ایک باریک چھلنی ہو جس کے نیچے پانی ہو۔ اس چھلنی کے اُوپر بھیگے ہوئے چاول رکھ دیئے جائیں اور جب پانی جوش کھانے لگے یہ چھلنی دیگچی میں اس طرح رکھیں کہ پانی میں نہ ڈوبے۔ اُوپر سے دیگچی کو ڈھانک دیں۔ اس طرح چاول پانی سے نہیں بلکہ سٹیم سے پکیں گے۔ اگر ایسا برتن نہ ملے تو دیگچی میں صرف اتنا پانی رکھیں جو تمام کا تمام چاولوں میں جذب ہو جائے۔ جب یہ پانی جوش کھانے لگے اس میں چاول ڈال دیں اور کچھ دیر کے بعد جب آدھے پکے ہوں تو نیچے سے شعلے والی آگ نکال کر صرف کوئلوں پر رکھیں اور اُوپر ڈھکنا اچھی طرح بند کر کے کوئلے اس ڈھکنے پر بھی رکھ دیں۔ یا کوئلوں کی بجائے اس پر بوجھ رکھ دیا جائے۔ اس بوجھ سے سٹیم دیگچی کے اندر رک جائیگی ٹمپریچر زیادہ ہو کر چاول نرم ہو جائیں گے۔ اس طرح چاولوں کی تمام غذائیت ان کے اندر رہے گی۔ جیسے گندم سے روٹی کے علاوہ اور بھی کئی طرح کی چیزیں بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح چاولوں سے بھی اور کئی چیزیں بنا سکتے ہیں۔ غرض تو یہ ہے کہ ان اناجوں سے ہم پورا فائدہ اٹھائیں۔ ان کا کوئی جُزو یا حصّہ ضائع نہ ہونے دیں۔

گندم اور چاول ہی ہماری نشاستہ دار غذا کی خاص اجناس ہیں۔ دوسرے اجناس مکّی وغیرہ کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔ ان کی پیداوار ایک تو بہت کم ہے۔ خاص کر باجرہ وغیرہ تو ایسی جگہ پیدا ہوتے ہیں جہاں پانی کی کمی ہو۔ مکّی میں یہ عیب ہے کہ ایک تو یہ چند ماہ کے بعد کھانے کے قابل نہیں رہتی۔ دوسرے اس میں بعض اجزاء کی کمی ہوتی ہے اس کے ساتھ ضروری ہے کہ وہ چیزیں کھائی جائیں۔ بہرحال اکتوبر سے اپریل تک اس کو کھا سکتے ہیں۔ روٹی کے علاوہ اس سے گلوکوز اور کارن فلور وغیرہ بھی بنتے ہیں۔ نشاستہ اس میں کافی ہوتا ہے۔ نشاستہ آلو میں بھی کافی ہوتا ہے۔ آلو میں نشاستہ کے علاوہ پروٹین (لحمی) بھی ہوتی ہے۔ آلو کو پکانے کی ترکیب یہ ہے کہ اس کو چھری سے نہ چھیلا جائے بلکہ دھو کر اور صاف کر کے جوش کھاتے ہوئے پانی میں ڈالا جائے۔ اس طرح مع چھلکے کے ان کو اُبالا جائے۔ پھر ان کو انگلیوں سے چھیلا جائے۔ اگر اُبالنے سے پہلے چھیلا جائے گا تو ان کا وہ حصّہ جو عین جلد کے ساتھ ہے اور غذائیت میں آلو کے باقی حصوں سے بہت زیادہ ہے ضائع ہو جائیگا اور اگر ان کو ٹھنڈے پانی میں ڈال کر آگ پر رکھیں گے تو اس کے وہ اجزاء اور نمکیات جو پانی میں حل ہو سکتے ہیں ضائع ہو جائیں گے۔ جوش کھاتے ہوئے پانی میں

ڈالنے سے ان کی سطح پر جو البیومن ہوتا ہے وہ سخت ہو کر ایک غلاف کی شکل بنا لیتا ہے۔ اور اندر کی غذائیت کو ضائع ہونے سے بچا لیتا ہے۔ یا پھر اس کو گرم راکھ وغیرہ میں یا تنور میں بھونا جائے۔ اس سے اس کا مزہ بھی اچھا ہو جاتا ہے اور کوئی جزو بھی ضائع نہیں ہوتا۔ یا اس کے Chips فرائی کر لئے جائیں۔

آلو ایک نہایت اچھی غذا ہے۔ اس میں سکارچ، پروٹین، وٹامن سی اور نمکیات شامل ہیں۔ البتہ روغنی جزو کی کمی ہے

اب ہم لحمی غذا کے تیار کرنے پر بحث کرتے ہیں۔ اس میں گوشت، مچھلی، انڈے، دالیں وغیرہ شامل ہیں۔ پروٹین ان کا خاص جزو ہوتا ہے۔ بدن کی بناوٹ اور اس کے گھسنے کو پورا کرنا اس کا کام ہے خاص کر بچوں اور نوجوانوں کے لئے یہ لحمی غذا نہایت ضروری ہے۔ اگرچہ اناج اور سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں بھی یہ پروٹین ہوتی ہے۔ لیکن جن چیزوں کا نام میں نے لیا ہے ان میں زیادہ ہوتی ہے

گوشت گائے کے گوشت میں لحمی غذا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد دنبہ اور آخر میں بکری کا گوشت۔ سرخ رنگ کے گوشت میں پروٹین بہ نسبت سفید رنگ کے گوشت کے زیادہ ہوتا ہے۔

گوشت کے پکانے کی ترکیب جو ہمارے گھروں میں رائج ہے وہ اچھی نہیں۔ ہم گوشت مصالحہ پانی میں ملا کر دیگچی میں آگ پر رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح گوشت کا عرق پانی میں نکل آتا ہے اور پھر اس پانی کو جلا دیتے ہیں اور گھی وغیرہ ڈال کر گوشت کو بھونتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پانی ختم ہونے سے وہ گوشت کا عرق بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ گوشت کے پکانے کی ترکیب یہ ہے کہ یا تو اس کو کافی پانی میں جوش دیں۔ جب گوشت گل جائے اس کا پانی یعنی یخنی پی لیں اور گوشت کھا لیں۔ یا گوشت کو پہلے مصالحہ کے ساتھ گھی وغیرہ میں بھون لیں اور پھر پانی ڈالیں۔ اس طرح بوٹی کے اوپر البیومن کی تہ ایک غلاف کا کام دیگی۔ اور اس کی طاقت کو باہر نکلنے نہیں دیگی۔ یا گوشت کو تنور وغیرہ میں Roast کر لیں۔ یا گوشت کا قیمہ کر کے اسکے کباب بنا لیں۔ ان طریقوں سے گوشت کا عرق ضائع نہیں ہوگا۔

ایک طریقہ جس کو سیخی کہتے ہیں وہ گوشت کے ٹکڑے لوہے کی سیخ پر لگا کر سیخ کو زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور اس کی دونوں طرف آگ کے انگارے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ گوشت خوب گل جاتا ہے۔

گوشت کی نسبت کلیجی میں طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ کلیجی کو بھون کر استعمال کیا جائے تو اسکی غذائیت کم نہیں ہوتی۔ گائے اور بڑی مچھلی کے گوشت میں ایک نقص ہوتا ہے۔ اسمیں بعض وقت کدو دانے (کیڑے) کے انڈے ہوتے ہیں۔ خاص کر کلیجی میں ایک چھوٹی سی تھیلی ہوتی ہے جس میں پانی بھرا ہوتا ہے اس میں وہ کیڑا ہوتا ہے۔ اگر گوشت کو اچھی طرح پکایا نہ جائے تو یہ انڈا مرتا نہیں۔ بلکہ آنتوں میں جا کر کدو دانہ پیدا کر دیتا ہے۔ بعض وقت یہ کیڑے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ پس گائے کے گوشت کا یا تو قیمہ بنا لیں یا بالکل چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوں اور ان کو خوب پکایا جائے یا تلا جائے۔ اسی طرح مچھلی کے پتلے پتلے ٹکڑے کاٹ کر تلے جائیں یا خوب پکائے جائیں۔ (باقی)

حواریوں کی دُعائے طعام

پہلی صدی عیسوی کی کتاب "دِ داخی" کا ضروری اقتباس ابتدائی عیسائیوں کا ماٹو کلمہ "مارانا تھا" یعنی نبی موعود آنے والا ہے۔

(از قلم جناب شیخ عبدالقادر صاحب۔ لائل پوری)

اُنیسویں صدی کے آخر میں ایک کتاب "دِداخی" کے نام سے دستیاب ہوئی۔ اس کا دوسرا نام بارہ رسولوں کی تعلیم" ہے۔ یہ پہلے پہل ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ نسخہ ۱۰۵۶ء کے یونانی نسخہ کے مطابق تھا۔ جو قسطنطنیہ میں ملا تھا۔ اس کتاب کے دو الگ الگ حصّے ہیں۔ پہلے حصّہ میں چند اخلاقی احکام ہیں جن کا نام "دو رستوں" کی تعلیم ہے۔ دوسرے حصّہ میں کلیسیائی قوانین سیاست اور عبادت کے متعلق درج ہیں۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے عقائد اور طور و طریق کا اس سے پتہ ملتا ہے۔

نئے عہد نامہ میں حواریوں اور ابتدائی عیسائیوں کے متعلق لکھا ہے

کہ:۔ "بہت سے عجیب کام اور نشان رسولوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ سب ایک جگہ رہتے تھے۔ اور سب چیزوں میں شریک تھے۔ اور اپنی جائداد اور اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔ اور ہر روز ایک دل ہو کر ہیکل میں جمع ہوا کرتے اور گھروں میں روٹی توڑ کر خوشی اور سادہ دلی سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور خدا کی حمد کرتے اور سب لوگوں کو عزیز تھے اور جو نجات پاتے تھے ان کو خداوند ہر روز ان میں ملا دیتا تھا۔"

(اعمال الرسل ۲/۴۴ تا ۴۷)

اس حوالہ میں پہلی صدی کے عیسائیوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ہمیں مذکورہ کتاب "بارہ رسولوں کی تعلیم" میں ملتی ہے۔ جس کا یونانی نام "دِداخی" (Didache) ہے۔

ابتدائی عیسائی اللہ تعالےٰ کی جناب میں جو دُعائیں کیا کرتے ان میں سے بعض اس کتاب میں درج ہیں۔ ان دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ موجود الوقت عیسائی عقائد حواریوں میں رائج نہیں تھے۔ بلکہ بعد کی پیداوار ہیں۔ اعمال الرسل کے مذکورہ حوالہ میں یہ ذکر ہے کہ ابتدائی عیسائی خوشی اور سادہ دلی سے ایک دسترخوان پر جمع ہوتے۔ کھانا کھاتے اور خدا کی حمد کیا کرتے۔ اس کی حمد کی تفصیل "دِداخی" میں آئی ہے۔ اس کتاب میں حواریوں کی دُعائے طعام پوری کی پوری بلفظہٖ درج ہے۔ پیکس شرح بائیبل میں یہ دُعا درج کرنے سے پہلے لکھا ہے کہ "دِداخی" کے ذریعہ نہایت ابتدائی نمونہ حواریوں کی دعاؤں کا ہم تک پہنچا ہے۔ یہ دُعا روایت کی رو سے حواریوں کے دَور کے آخری حصّہ میں ملک شام

میں محفوظ کر لی گئی۔ یعنی حواری ابھی زندہ تھے کہ یہ دُعا ضبطِ تحریر میں آ گئی۔ پیکس شرح بائیبل کے صفحہ ۶۶۴ پر حواریوں کی یہ دُعا دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

دُعائے طعام

جونہی ہم کھانے کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ اے ہمارے باپ۔

تیرے خادم داؤد کے مقدس لوگوں کے لئے۔

وہ لوگ جن کے بارہ میں تو نے ہمیں اپنے خادم یسوع کے ذریعہ خبر دی۔

تیرا جلال ہمیشہ ہمیش رہے۔

ہاں جب ہم کٹی ہوئی روٹی کو چھوتے ہیں۔ تو ہم تیرا شکر بجا لاتے ہیں۔ اے ہمارے باپ

اُس زندگی اور علم کے لئے جس کی تو نے ہمیں اپنے خادم یسوع کے ذریعہ خبر دی ہے۔

تیرا جلال ہمیشہ ہمیش رہے۔

یہ روٹی جو کہ ہم توڑتے ہیں۔ غلّے کے دانوں کی صورت میں پہاڑوں پر منتشر تھی۔

یہ دانے چُن چُن کر اس روٹی کی شکل میں ایک ہو گئے۔

پس اسی طرح ہماری دعا ہے کہ تیری کلیسا بھی دنیا کے کناروں سے سمٹ سمٹا کر تیری بادشاہت میں مجتمع ہو جائے۔

کیونکہ تیرے لئے ہی شکوہ جلال اور عظمت ہے۔

یسوع کے ذریعہ ہمیشہ ہمیش کے لئے

اور جب ہم سیر ہو جاتے ہیں تو ہم اس طرح تیرا شکر بجا لاتے ہیں۔

ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ اے مقدس باپ

تیرے اس مقدس نام کے لئے جس کا مقام تو نے ہمارے دلوں میں بنا دیا ہے۔

اُس علم، ایمان، اور ابدی حیات کے لئے۔

جن کے بارہ میں تو نے ہمیں اپنے خادم یسوع کے ذریعہ خبر دی۔ تیرا جلال ہمیشہ ہمیش رہے۔

اے احکم الحاکمین مالک تمام چیزیں تیرے نام کی خاطر پیدا کی گئیں۔ تو لوگوں کو کھانے اور پینے کی چیزیں عطا کرتا ہے۔ تاکہ وہ تسکین پائیں اور تیرا شکر ادا کریں۔

لیکن تو نے ہمیں اپنی کمال شفقت و رحمت سے روحانی کھانے اور پینے کی شاندار نعمتوں (یعنی آسمانی مائدہ) سے نوازا۔ اور ابدی زندگی عطا فرمائی۔

اپنے خادم یسوع کے ذریعہ

سب سے پیشتر ہم تیرا شکر بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ تو قادرِ مطلق ہے۔

اے ہمارے مالک اپنی کلیسا کو یاد رکھئے۔ اسے تمام برائیوں سے پاک کر کے اپنی محبت میں کامل بنا دیجئے اور چاروں اطراف سے اسے فراہم کیجئے۔ اس مقدس کلیسا کو۔ آسمانی بادشاہت میں۔

جو کہ تو نے اس کے لئے تیار کی ہے۔

کیونکہ ہمیشہ کی عظمت و جلال تیرے ہی لئے ہے

خدا کا لطف و کرم آئے اور زمانہ گذرتا رہے۔

داؤد کے خدا کو

ھوشعنا (اے خداوند ہمیں بچا لے

ماراناتھا (ہمارا خداوند آنے والا ہے)

آمین۔"

مذکورہ بالا دعائیہ کلمات سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ حواری حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک خادم رسول جانتے تھے وہ تثلیث کے قائل نہیں تھے۔ صرف خداوند احکم الحاکمین سے

دُعائیں کیا کرتے ۔ وہ اپنی دعاؤں میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے ۔ نہ مسیح کو نہ مریم کو نہ روح القدس کو ۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے نام کی خاطر پیدا کی گئیں ۔ یہ خیال کہ ہر چیز یسوع مسیح کے وسیلہ سے پیدا ہوئی (یوحنا ۱/۳) ان کے اندر پایا نہیں جاتا تھا ۔ اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں کا "ماٹو" ایک آرامی زبان کا کلمہ "مارانا تھا" تھا ۔ جس کے معنی ہیں "ہمارا خداوند آنے والا ہے" ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا ابتدائی عیسائیوں میں بہت چرچا تھا ۔ سائیکلوپیڈیا ۔ ببلیکا اور ہیسٹنگز بائیبل ڈکشنری میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے ۔ ابتدائی عیسائی آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ۔ دسترخوان پر جمع ہوتے ۔ رات کی تاریکی میں کسی جگہ دعا کے لئے اکٹھے ہوتے تو زور سے پکارتے "مارانا تھا" یعنی ہمارا آقا و خداوند آنیوالا ہے خطوں کے آخر میں "والسلام" کی بجائے "مارانا تھا" لکھا ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ دعا بھی اسی کلمہ پر ختم ہوتی ہے ۔ اس کلمہ کا کثرت استعمال ظاہر کرتا ہے کہ حواری حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو روحانی سلسلہ کی آخری کڑی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آنے والے عظیم الشان نبی کے لئے چشم براہ تھے ۔ جسے یہود "النبی" کے نام سے پکارتے تھے ۔ حضرت مسیح ناصری نے جسے اپنے بعد آنے والے روحِ حق کا نام دیا اور فرمایا جب تک میں جاؤں گا نہیں اس کی بعثت نہیں ہوگی پطرس نے اپنے وعظ میں جس کے متعلق فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اس موعود نبی کا آنا لازمی ہے ۔ جس کی تورات میں بشارت دی گئی ۔ (اعمال باب ۳)

ہاں اس عظیم الشان نبی کی بعثت کے لئے حواری ہر گھڑی منتظر تھے ۔ وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ اور موقعہ اس نبی کے ذکر اذکار کے بغیر نہیں گذارتے تھے ۔ ان کا نصب العین ہر وقت ان کے سامنے تھا ۔ وہ "میثاق النبیین" کو بھولنے والے نہیں تھے ۔ بلکہ وہ اس عہد کو یاد دلاتے رہتے ۔ یہ کلمہ (یعنی مارانا تھا) "دِد اخی" کے علاوہ نئے عہد نامہ میں بھی پولوس رسول کے ایک خط کے آخر میں درج ہے ۔ (کرنتھیوں اول ۱۶/۲۲)
اس کے علاوہ ایک قدیم کتاب "رسولوں کے قوانین" میں بھی یہ کلمہ وارد ہوا ہے (پیکس شرح بائیبل صفحہ ۸۴۸)

جس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ابتدائی عیسائیوں نے اس کلمہ کو اپنا ماٹو بنا لیا تھا ۔

ریفرنس بائیبل میں کرنتھیوں کے نامہ اول میں اس کلمہ پر یہوداہ کے خط (آیت نمبر ۱۴) کا حوالہ درج ہے ۔ گویا بتایا گیا یہوداہ کے خط میں اس کلمہ کی تفصیل موجود ہے ۔ چنانچہ یہوداہ کے خط عام میں لکھا ہے :۔

> حنوک نے بھی جو آدم کی ساتویں پشت میں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پیشگوئی کی کہ "دیکھو خداوند اپنے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آتا ہے" تاکہ سب لوگوں کی عدالت کرے اور سب بے دینوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ملزم گردانے ۔"

(یہوداہ کا خط عام : ۱/۱۴ اقتباس ترجمہ)

یہ پیشگوئی صریح طور پر نبی موعود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے ۔ اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد کو حواری سلسلہ نبوت کی آخری کڑی نہ سمجھتے تھے ۔ بلکہ وہ دس ہزار قدسیوں والے موعود کیلئے ہر آن منتظر تھے ۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ قدیم ترین صحیفہ حنوک کی پیشگوئی اور دوسرے انبیاء کی پیشگوئیاں نبی موعود کے متعلق ابھی پورا ہونا باقی ہیں ۔ یہوداہ کے خط عام سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ابتدائی عیسائی "مارانا تھا" کا نعرہ کیوں لگاتے تھے "خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آتا ہے" کے صریح الفاظ میں جو کہا تھا گیا مفہوم موجود ہے چشم بینا کے لئے اس کلمہ میں زندگی کا پیام ہے ۔ اے کاش کہ مسیحی

عیسائی دوست کے نام تبلیغی خط (نمبر ۱)

(از مکرم محمد اعظم صاحب طالب علم تعلیم الاسلام ہائی سکول کوٹ مومن ضلع سرگودھا)

[اعلان کیا گیا تھا کہ جو طلبہ عیسائی صاحبان کے محبت بھرے تبلیغی خط لکھیں گے ان میں سے اوّل آنے والے کو ایک پاؤنڈ اور دوم آنے والے کو نصف پاؤنڈ ادارۂ الفرقان کی طرف سے بطور انعام دیا جائے گا۔ نیز ان کے تبلیغی خطوط الفرقان میں شائع ہوں گے۔ اس مقابلہ میں متعدد طلبہ شریک ہوئے۔ جج صاحب کے فیصلہ کے مطابق عزیز محمد اعظم صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول کوٹ مومن ضلع سرگودھا اوّل اور عزیز محمد اسلم صاحب شاد گجراتی تعلیم الاسلام کالج ربوہ دوم قرار پائے ہیں۔ ہر دو تبلیغی خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔ انعامی رقوم ہر دو طلبہ اپنے موجودہ پتہ سے اطلاع دیکر ادارہ الفرقان ربوہ سے فوراً طلب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مبارک کرے۔ آمین ——————— (ایڈیٹر)]

مائی ڈیر ڈیوڈ!

تسلیمات

زمانۂ تعلیم کے ان دو سالوں کا تصور میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے۔ آپ کی محبت بھری نرم طبیعت کا میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے۔ آپ کے والدین جس شفقت و محبت کا سلوک میرے ساتھ کرتے تھے۔ اس کا بھی میری روح پر گہرا نقش ہے۔ اور جیسا کہ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا رہا آپ کو ہر وقت اس امر کی تلقین کی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ محبت ہے اور وہ مجسّم رحم ہے۔ اور اسی کا تقاضا ہے کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اسلئے دنیا میں بھیجا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے اس کے گناہوں کی گٹھڑی وہ اٹھا لے۔

میں آپ کی باتوں پر ہمیشہ غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے آپ کے کہنے کے مطابق انجیلوں کا خوب مطالعہ کیا ہے اور ان پر خوب غور و فکر کیا ہے۔

آپ کے سارے عقائد کی بنیاد اس امر پر ہے کہ آدم نے گناہ کیا۔ حوّا نے گناہ کیا پس گناہ انسان کو ورثہ میں ملا ہے اور اس سے نجات پانے کی اس کے لئے کوئی صورت نہ تھی۔ خدا کا عدل تقاضا کرتا تھا کہ انسان کو گناہ کی سزا ضرور ملے اور اس کا رحم تقاضا کرتا تھا کہ انسان نجات پائے۔ پس اس نے اپنا اکلوتا بیٹا دنیا کو بخش دیا تا اس کے کفارہ سے لوگ نجات پائیں اس طریقہ سے کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یسوع خدا کے بیٹے کیونکر ہیں؟ اس کی وجہ ایک پادری صاحب سے پوچھی کہ یسوع خدا کے بیٹے کیونکر ہوئے؟ جواب ملا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں انجیل شریف میں بیٹا کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب خود انجیل شریف نے ہی بیٹا ہونے کا مطلب سمجھا دیا ہے یعنی خدا کا بیٹا ہونے سے مراد راستباز ہونا ہے۔ (ا یوحنا ۲/۲۹، ۳/۱) تو پھر جھگڑا کیا رہا؟ ظاہر ہے کہ بیٹا ہونے سے مراد روحانی بیٹا ہونا ہے نہ کہ جسمانی اور

اگر یہ فرض کیا جائے کہ واقعی یسوع خدا کے جسمانی بیٹے ہیں۔ کیونکہ انجیل شریف نے انہیں خدا کا بیٹا کہا ہے۔ تو پھر سمجھ نہیں آتی کہ خدا نے تو بائیبل مقدس میں کئی اور لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا ہے۔ مثلاً :-

(۱) داؤد خدا کا بیٹا ہے۔ (زبور $\frac{۸}{۲۶-۲۷}$)

(۲) قاضی مفتی خدا کے بیٹے ہیں۔ (زبور $\frac{۸۲}{۶}$)

(۳) اسرائیل خدا کا بیٹا بلکہ پلوٹھا ہے (خروج ۴ : ۲۲)

(۴) سلیمان خدا کا بیٹا ہے (۱۔ تواریخ ۲۲ : ۹ - ۱۰)

اسی طرح اور کئی مثالیں ہیں۔ ان تمام مثالوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ خدا کا بیٹا ہونے سے ظاہری بیٹا ہونا مراد نہیں بلکہ روحانی بیٹا مراد ہے۔ کیونکہ اگر جسمانی بیٹا مراد ہو تو باقی سب بھی جن کو خدا نے بیٹا کہا ہے وہ بھی یسوع کی طرح خدا کے بیٹے ہیں یعنی جسمانی۔

اور یہ واقعہ ہے کہ آپ (یسوع) میں دوسرے نبیوں سے کوئی فرق بھی نہیں۔

(۱) اگر کہا جائے کہ یسوع بے باپ پیدا ہوئے اسلئے خدا کے بیٹے ہیں تو اس طرح تو آدمؑ ڈبل خدا ہوئے اور اگر یہ کہا جائے کہ یسوع کی ماں تو تھی صرف باپ نہ تھا تو ایسی مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔

(۲) اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت یسوع نے مُردے زندہ کئے اسلئے وہ خدا ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ بائیبل کی رُو سے مُردے تو اور بھی کئی انبیاء نے زندہ کئے۔ مثلاً :-

(i) الیشع نے مُردے زندہ کئے (۲۔ سلاطین ۴ : ۳۵)

(ii) ایلیاہ نے مُردے زندہ کئے (۱۔ سلاطین ۱۷ : ۲۲)

(iii) حزقی ایل نے ہزاروں پرانے مردے زندہ کئے۔
(حزقی ایل ۳۷ : ۱ تا ۱۰)

اسی طرح اور کئی انبیاء نے مُردے زندہ کئے تھے۔

(۳) اگر یہ کہا جائے کہ یسوع بیماروں کو اچھا کرتے تھے تو یہ کام بھی کئی اور انبیاء نے کیا ہے۔ مثلاً :-

(i) الیشع نے نعمان کوڑھی کو اچھا کیا (۲۔ سلاطین ۵ : ۱۴)

(ii) یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں۔
(پیدائش ۴۶ : ۴)

ایسی کئی مثالیں اور بھی ہیں۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ یسوع تھوڑے کھانے اور شراب کو زیادہ کر دیتے تھے اسلئے خدا ہوئے تو ہمیں بھی اور کئی نبی شریک ہیں۔ مثلاً :-

(i) ایلیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے سے تیل کو اتنا بڑھا دیا کہ وہ سال بھر ختم نہ ہوا۔
(سلاطین ۱ : ۱۷ : ۱۳ - ۱۶)

(ii) الیشع نے ذرا سے تیل کو اتنا بڑھایا کہ برتن ہی ختم ہو گئے (۲۔ سلاطین ۴ : ۲ - ۶)

(۵) اگر اس طرح کہیں کہ چونکہ یسوع بغیر کشتی کے دریا پر چلے اسلئے خدا ہوئے۔ تو کئی نبیوں نے اس سے بھی بڑے معجزے دکھائے۔ مثلاً :-

(i) موسیٰ نے سمندر میں لاٹھی ماری اور سیال پانی دونوں طرف ہٹ کھڑا رہا۔

(ii) یوشع نے یردن کو خشک کر دیا (یوشع ۳ : ۱۷)

اسی طرح اور کئی مثالیں ہیں۔

(۶) اگر کہا جائے کہ یسوع نے پرندے بنائے اسلئے خالق یعنی خدا ٹھہرے۔ اس کی بھی اور کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً :-

ہارون نے جوئیں بنائیں (خروج ۸ : ۱۷)

بائیبل کے ان مسلّمہ مشاہدات کے بعد یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یسوع خدا کے بیٹے ہو کر خدا ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دوسرے نبیوں کی طرح یہ بھی ایک معصوم نبی تھے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کا عدل ایسا نہیں ہے کہ وہ باقی سب لوگوں کے گناہ کی سزا ایک ہی کو دیدے اسلئے

خدا اپنے عدل کی وجہ سے دوسروں کے گناہ یسوع کو نہیں اٹھوا سکتا۔ اسلئے یسوع دوسروں کیلئے کفارہ نہیں ہو سکتے۔ نیک اور راستباز تو دوسرے بھی تھے۔ مثلاً انجیل شریف میں ہے کہ زکریا مع اپنی بیوی کے پاک اور راستباز ہے۔ اور یوحنا ماں کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھر گئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ انسان عیسائیوں کے کفارہ کے بغیر بھی راستباز ہو سکتا ہے۔ اسلئے کفارہ کی ضرورت نہ رہی۔

میرے دوست! بائیبل کو اچھی طرح پڑھنے سے ایک اور موعود نبی کے آنے کی پیشگوئی بھی ملتی ہے۔ لکھا ہے:۔

(۱) "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اُس کی سُننا" (استثناء ۱۸: ۱۵)

(۲) "خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کیلئے تھی۔" (استثناء ۳۳: ۱-۲)

(۳) پھر انجیل شریف میں ہے:۔

"اس کے بعد تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (یوحنا ۱۴: ۳۰)

اسی طرح اور بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء پر لفظاً لفظاً صادق آتی ہیں۔ چنانچہ پہلی پیشگوئی جس کا اوپر ذکر ہے وہ اس طرح پوری ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریعت والے نبی تھے جس طرح حضرت موسیٰ شریعت والے نبی تھے۔

دوسری پیشگوئی (دس ہزار قدوسیوں والی) فتح مکہ کے موقع پر لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ لہٰذا انجیل مقدس کے کہنے کے مطابق آپ کو بھی چاہیئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اُن کی سُنیں اور نجات پائیں۔ کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح یعنی شریعت لانے والے نبی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے سوا اور کوئی شریعت آئی ہی نہیں۔ اسلئے لازماً یہ وہی شریعت ہے جس کے متعلق بائیبل نے پیشگوئی کی تھی۔ اسلئے اب آپ کا بھی فرض ہے کہ اس کو مانیں اور جس پر یہ شریعت (قرآن کریم) اُتری ہے اُس پر بھی ایمان لائیں اور اسلام میں داخل ہو کر نجات پائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نجات اسلام میں ہی ہے۔ مذہب کا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ انسان نجات پالے۔ تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ باتیں صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ پس دنیا میں اگر کوئی زندہ مذہب ہے تو وہ زندہ مذہب اسلام ہے۔ جس میں کہ ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی بزرگ (مجدد) آتا ہے جو اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلاتا ہے۔ چنانچہ اس صدی میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ مبعوث ہوئے ہیں جو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا زندہ ثبوت ہیں۔

عزیز دوست! یہ ایک سچا مقولہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ مذہب کا پھل وہ نیک لوگ ہیں جن سے خدا ہمکلام ہوتا ہے۔ دنیا میں آج صرف اسلام کے درخت کا پھل نظر آ رہا ہے۔ متی کی انجیل میں لکھا ہے:۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں۔ مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ اُن کے پھلوں سے تم انکو پہچان لو گے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہو؟

اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لا سکتا اور بُرا درخت اچھا پھل نہیں لا سکتا۔ جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا ہے وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ پس اُن کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔" (متی ۷: ۱۵-۲۰)

انجیل شریف کی اِن آیات کو سامنے رکھتے ہوئے صاف نظر آ سکتا ہے کہ زندہ خدا کا زندہ مذہب صرف اسلام ہے جس کے زندہ اور تازہ بتازہ پھل ہمیں ہر زمانہ میں نظر آتے ہیں۔ اور آج بھی ہمارے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اس کی سرسبزی و شادابی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، صرف چشمِ بصیرت کی ضرورت ہے۔

اب میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ بلا تعصب و ہٹ دھرمی کے خلوصِ دل، صدقِ نیت سے اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید کا بغور مطالعہ کریں۔ اس طرح آپ کے لئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے واسطے راستہ صاف ہو جائے گا۔ آپ کو نجات پانے کا نادر و سنہری قیمتی موقع بھی مل جائے گا جو زندگی کا اصل مقصد ہے۔

عیسائی مذہب میں تمام بنی نوع انسان کو گنہگار کہا گیا ہے۔ فرضی نجات محض یسوع مسیح کے صلیب دیئے جانے پر منحصر ہے۔ یعنی یسوع مسیح کا خون ضائع ہو کر عیسائی قوم کے گنہگاروں کی معافی کا موجب ہوا۔ دوسرے الفاظ میں "کرے کوئی بھرے کوئی"۔

مذہب اسلام ہر تعلیم کی جو شرک و کفر، بے انصافی، ظلم و ستم اور جھوٹ و باطل پر مبنی ہو سخت بیخ کنی کرتا ہے۔ اسلام کے رُو سے ہر انسان پیدائشی طور پر پاک ہے اور حضرت مسیحؑ صادق نبی تھے وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔

حقیقت میں اسلام اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا صحیح راستہ بتا کر روحانیت کی آخری منزل تک پہنچاتا ہے۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ مذہب اسلام میں آ جائیں۔ آپ کی اس میں بھلائی ہے اور نجات کا موجب ہے۔

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئیگا انجام کار

آپ کا خیرخواہ دوست
محمد اعظم

مسلمانوں کی دینی حالت

کراچی کے جلسہ سیرۃ النبیؐ میں جو مولانا احمد علی صاحب کی صدارت میں ہوا جناب زیڈ۔ ایچ۔ لاری نے کہا کہ:-

"آج ہم اور آپ کہنے کو تو اُمّتِ محمدیہ کے فرد ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم ننگِ مذہب، ننگِ دین اور ننگِ قوم ہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے کردار کی گراوٹ پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ ہمارے افعال ہماری پستی کا بیّن ثبوت ہیں۔ ہم نے اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ دیا ہے جس پر حضور اکرمؐ خود چلے اور انگلی پکڑ کر انہوں نے انسانیت کو چلنا سکھایا تھا۔ ہمارے وہ زرّین اصول، ہمارا وہ قرآن، ہماری وہ عظیم تاریخ اپنی ساری تابندگیوں کے ساتھ آج بھی اقوامِ عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہے مگر ہم نہ اس قرآن کے ہیں، نہ اصولوں کے ہیں، نہ اس تاریخ کے ہیں، اور نہ اس کردار کے ہیں۔" (روزنامہ جنگ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۸ء)

عیسائی دوست کے نام تبلیغی خط (نمبر ۲)

(از مکرم محمد اسلم صاحب شاد گجراتی تعلیم الاسلام کالج - ربوہ)

مکرم دوست! آپ کا عیسائیت کی تعلیم سے لبریز خط ملا۔ جس میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عیسائی مذہب کو دیگر تمام مذاہب پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ آپ نے اپنے مذہب کی فضیلت بیان کرنے کے بعد مجھ سے استدعا کی ہے کہ میں آپ کا مذہب قبول کر لوں۔

محترم دوست! یقین جانیئے آپ کے اس خط سے مجھے انتہائی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ باقی رہا کہ میں آپ کا مذہب قبول کر لوں۔ تو جناب کیا یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ لگے ہاتھوں میں بھی اپنے مذہب یعنی مذہب اسلام کے متعلق کچھ عرض کر دوں۔ اور پھر بعد میں جس مذہب میں حقیقت نظر آئے اور جس مذہب کی برتری و فضیلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے اس کو قبول کر لیا جائے خواہ وہ مذہب عیسائیت ہو یا اسلام۔

عزیز دوست! میں آپ سے اتفاق کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ کسی مذہب کی فضیلت و برتری کا اندازہ لگانے کے لئے اوّل اُس مذہب کے بانی۔ دوم اُس مذہب کی تعلیم۔ سوم اس مذہب کی الہامی کتاب کا پرکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ میں ان ہی تین معیاروں کو لیکر یہ ثابت کروں گا کہ صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو تمام دیگر مذاہب سے افضل و برتر ہے۔ اور یہ کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کا بانی تمام بنی نوع انسان سے افضل، جس کی تعلیم مکمل ضابطۂ حیات لئے ہوئے اور جس کی کتاب ہر لحاظ سے قائم و دائم ہے۔

میرے مسیحی بھائی! اسلام کے بانی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ مبارک وجود ہیں جن کی آمد کے متعلق گزشتہ انبیاء نے پیشگوئیاں کیں۔ اس وقت میں صرف آپ کی مقدس کتاب یعنی انجیل سے صرف دو پیشگوئیوں کا حوالہ دیتا ہوں۔

(۱) "جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اسکے پھل لائے گی دیدی جائے گی اور جو اس پتھر پر گریگا اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا۔"

(متی باب ۲۱ آیت ۴۲ تا ۴۴)

(۲) "مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنیگا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔" (یوحنا $\frac{16}{12-14}$)

عزیز دوست! ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مبارک وجود ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنا محبوب قرار دیا اور فرمایا کہ اے میرے محبوب! اگر تجھ کو پیدا کرنا مد نظر

نہ ہوتا تو یہ جہان رنگ و بو بھی نہ ہوتا۔ نہ یہ فلک بوس پہاڑ نظر آتے اور نہ ان کل کل کر بہنے والی ندیوں کا وجود ہوتا۔ اے انسان کے معراج کی مکمل تصویر محمدؐ! اگر تو نہ ہوتا تو ان ٹمٹماتے ستاروں سے ردائے شب کی جبین مزین نہ ہوتی۔ خدا نے آپؐ کو تمام انبیاء کا سردار قرار دیا اور آپؐ کے انسانِ کامل ہونے کی شان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا "فکان قاب قوسین او ادنیٰ" یعنی یہ رسولؐ ایک طرف تو خدا کی طرف اتنا بڑھا کہ اس کا انتہائی قرب حاصل کر لیا۔ اور دوسری طرف بنی نوع انسان کی محبت میں بھی کمال تام پیدا کر لیا۔ اور ان دونوں مساوی قربوں کی وجہ سے وہ ایسے ہو گیا جیسے دو قوسوں کے درمیان ایک خط ہوتا ہے۔ پس اس میں شفاعت کی شرط پائی گئی تو اسے خدا تعالیٰ نے شفاعت کا مقام عطا کیا۔

پس ہمارے مذہب کا بانی وہ مبارک وجود ہے جو قیامت کے روز مقامِ شفاعت پر رونق افروز ہوگا۔ اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی ماسوائے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور یہی وہ مقام ہے جو ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے ممتاز کرتا ہے۔ پھر ایک اور فضیلت جو ہمارے مذہب کے بانی کو حاصل ہے وہ اس کی قوتِ قدسیہ ہے۔ شدید سے شدید خطرہ کے وقت بھی ہمارے آقا کے ساتھیوں نے نہ ہی تو موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح یہ کہا کہ "جا تو اور تیرا رب لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" اور نہ ہی عیسائیوں کے خداوند کے حواریوں کی طرح پیسوں کے لالچ میں آکر اسے دشمن کے حوالے کر دیا۔ یا پھر سپاہیوں کے ڈر کی وجہ سے تین دفعہ لعنت کی۔ بلکہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ پیش آیا تو آپؐ کے ساتھیوں نے کہا "اے رسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور یا رسول اللہ! دشمن جو آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے آیا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں پر سے گزرتا ہوا نہ جائے۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈالنے کے لئے کہیں تو ہم بلا دریغ سمندر میں گھوڑے ڈال دیں گے۔"

(ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۲)

محترم دوست! کیا یہ قوتِ قدسیہ اس بات پر قوی دلیل نہیں کہ بانیٔ اسلام تمام انبیاء سے ممتاز و برتر تھے؟ مختصر یہ کہ ہمارا آقا اس شعر کا صحیح مصداق تھا

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دوسرا معیار تعلیم ہے۔ وحدانیتِ خالق اسلام کی تعلیم کی بنیادی کڑی ہے۔ اسلامی عقیدہ کے رُو سے صرف ایک خدا ہے جو تمام نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے۔ اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔ اسلام آپ کے تثلیث کے مسئلہ کو قطعاً نہیں مانتا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے خداوند یسوع بھی تثلیث کے انکاری ہیں۔ مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(الف) "خدا ایک ہے" (۲ سلاطین ۱۹/۱۵۔ یسعیاہ ۴۵/۵-۶۔ ۲ سموئیل ۷/۲۲۔ زبور ۱۸/۲)

(ب) "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو میں تم کو اسی کی خبر دیتا ہوں" (اعمال ۱۷/۲۳) "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷/۳)

اسلامی تعلیم نہایت سادہ اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر

حاوی ہے۔ اسلام کی تعلیم میں دلکشی اور جاذبیت ہے۔ برعکس اس کے آپ کے مذہب میں "تثلیث" اور "کفارہ" جیسے ایسے مسائل ہیں جنہیں عقل تسلیم ہی نہیں کر سکتی۔ اسلامی تعلیم کی دلکشی اور جاذبیت کیلئے ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل شہادت جو کہ ایک غیر مسلم کی ہے۔ ڈاکٹر گووند چندرا دیو پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی نے ۹ر ستمبر ۱۹۵۸ء بوقت پانچ بجے شام ڈسٹرکٹ بورڈ ہال ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا

"اسلام کے معنے امن کے ہیں اور آجکل تمام قومی اور بین الاقوامی معاملات میں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے وہ امن ہی ہے۔ موجودہ معاشرے کی سب سے بڑی خرابی دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ اسکی وجہ سے ایک طرف تو بے انتہا دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں چلی جا رہی ہے اور دوسری طرف غیر معمولی طور پر افلاس بڑھ رہا ہے۔ میرے نزدیک نماز اور زکوٰۃ سے متعلق اسلام نے جو تعلیم پیش کی ہے وہ تعلیم ہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے۔"

اب دیکھیں اسلام کی تعلیم کتنی مؤثر ہے کہ ایک غیر مسلم بھی شہادت دیتا ہے کہ اسلامی تعلیم ہی موجودہ معاشرہ کی اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی پریشانیوں کا واحد حل ہے۔

تیسرا معیار الہامی کتاب۔ اسلام کی الہامی کتاب قرآن مجید ہے جو کہ تمام پہلی الہامی کتابوں سے افضل ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے عرش سے فرمایا "ہم نے ہی اسے اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔" چنانچہ آج اس کتاب کو تقریباً پونے چودہ سو سال کا عرصہ گذرنے کو ہے لیکن ایک شوشہ تک اسمیں تبدیل نہیں ہوئی۔ اور قیامت تک اسمیں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ برعکس اسکے آپکے مذہب کی الہامی کتاب یعنی انجیل مقدس میں اتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں کہ آج اصلی انجیل کا ڈھونڈنا کار دارد ہے۔ دوست! معاف کرنا میں اپنی طرف سے انجیل میں تبدیلی کے متعلق کچھ نہیں کہتا بلکہ صرف آپ کے مذہبی رہنماؤں کے الفاظ ہی کو آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(۱) تفسیر انجیل مصنفہ ہارن جلد ۴ حصہ ۲ باب ۲ مطبوعہ ۱۸۸۲ء میں لکھا ہے:-

"کلیسیا کے قدماء مؤرخین سے اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے متعلق جو حالات ہم تک پہنچے ہیں ایسے غیر معین اور ابتر ہیں کہ کسی ایک امر معین کی طرف نہیں پہنچاتے۔ اور پرانے سے پرانے قدماء نے اپنے وقت کی گپوں کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا اور ان لوگوں نے جو ان کے بعد ہوئے ادب کر کے ان لوگوں کے لکھے ہوئے کو قبول کر لیا اور یہ روایات سچی اور جھوٹی ایک لکھنے والے سے دوسرے لکھنے والے کو پہنچیں اور مدت دراز کے گزر جانے کے بعد انکی تنقید متعذر ہو گئی۔"

(۲) "نامہ عبرانیوں اور نامہ دوم پطرس اور نامہ دوم سوئم یوحنا اور نامہ یعقوب اور نامہ یہودا اور مشاہدات یوحنا اور نامہ اول یوحنا کے بعض درس (آیات) کا حال تو ایسا ابتر ہے کہ کہنے کے لائق نہیں ان کو تو محض زبردستی بلا سند حواریوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بہت علماء فرقہ پروٹسٹنٹ نے ان کتب کا انکار کیا تھا۔" (تفسیر انجیل مصنفہ ہارن جلد ۴ حصہ ۲ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

اب اپنے مذہبی رہنماؤں سے کہو کہ جس کتاب میں بقول انکے پیروؤں کے زبردستی باتیں داخل کر دی گئی ہیں کیا وہ کتاب افضل ہو سکتی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ سے بھی لوگوں نے زبردستی یہ باتیں لکھوالی ہیں۔ اور اگر لکھوالی ہیں تو میں خدا لگتی کہوں گا کہ اے دوست! ایسا بیکس خدا تمہارا ہے۔ اور جس مذہب میں خدا بے کس ہو وہ کیسے افضل ہو سکتا ہے؟

عزیز دوست! قرآن مجید کی ایک وجہ فضیلت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے تمام زبانوں کی ماں یعنی عربی زبان میں جو کہ اپنے اندر فصاحت و بلاغت کا انتہائی رنگ لئے ہوئے ہے اتارا ہے۔

ایک اور فضیلت قرآن مجید کی یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن مجید سے رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے چونکہ خط لمبا ہوتا جا رہا ہے اسلئے میں ایک مغربی پروفیسر کے قرآن مجید کے متعلق تاثرات بیان کر کے اس معیار کو ختم کرتا ہوں۔ پروفیسر آربری جو قاہرہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ "اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ قرآن ایسی بلند اور دلفریب اسامی سے بھرپور ہے۔ وہ مخصوص اور منفرد اوصاف و محاسن سے پُر ہے زبان اعلیٰ درجہ کی پُرشکوہ اور بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ سہل ممتنع بھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

اے معزز دوست! چند منٹوں کے لئے سوچ کر بتایئے کہ کیا وہ کتاب جسکی فضیلت کو دشمن بھی تسلیم کرے وہ افضل ہو سکتی ہے یا کہ وہ کتاب جس کے اپنے پیرو ہی اُسے گیتوں کا مجموعہ قرار دیں!ــــ مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں نے مختصراً اپنے مذہب کے متعلق آپ کے مقرر کردہ معیاروں پر عرض کیا ہے۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور پھر بتائیں کہ کیا اسلام افضل مذہب ہے یا عیسائیت ؟

عزیز دوست! آخر میں یہ کہہ کر سبکدوش ہوتا ہوں کہ تمام مذاہب سے افضل مذہب اسلام ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس میں داخل ہو کر انسان مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خود بھی مذہب اسلام کو ہی پسند کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ "الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (سورۃ مائدہ ع) یعنی دینِ اسلام کی شریعت ہر لحاظ سے مکمل ہے اور اس دین کو میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔ یہی وہ دین ہے جس میں داخل ہو کر تم میری رضامندی اور خوشنودی حاصل کر سکتے ہو۔ خدا تعالےٰ سے میری دُعا ہے کہ وہ تمہیں حق و باطل میں تمیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـ والسلام

تمہارا مسلم بھائی
محمد اسلم شاد گجراتی

الفرقان کے متعلق ایک قیمتی رائے

جناب خان بہادر شیخ عالم علی صاحب نے جناب ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کے خط میں انہیں تحریر فرمایا

"اب آپ کے لندن جانے کے دن قریب آرہے ہیں۔ خدا خیریت سے لیجائے اور خیریت اور کامیابی سے واپس لائے۔ جناب مولانا ابو العطاء صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت نیازمندانہ سلام عرض کر دیجئے۔ ان کے عطا کردہ رسالجات الفرقان بہت کام آئے۔ میرے ساتھ ہی میرے ایک دوست کے لڑکے میجر حنیف بھی ہم سفر تھے ہم نے شروع سے اخیر تک انکو پڑھا اور بیحد متاثر ہوئے بسمل صاحب مرحوم کا مضمون خلافت راشدہ شیعہ سُنی کے تنازعات کے متعلق نہایت درجہ بصیرت خیز تھا اور دیگر تمام مضامین بھی۔ میرے خیال میں یہ قولِ ناطق ہے جو دل اور ذہن میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ وہ رسالہ میرے نام ان سے لکھئے کہ ربوہ پہنچنے پر V.P.P کر دیں میرے جیل کے ڈاکٹر پرانے اور سینئر M.B.B.S ہیں۔ بڑے نیک آدمی ہیں وہ بھی اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ کہ خود پڑھ کر ان کو دیدیا کرونگا۔ مجھے یہ رسالہ بہت ہی پسند آیا ہے اور بالخصوص اسکے ایڈیٹر۔ چلتے وقت موٹر میں اور رات کو بھی ان کے حسن اخلاق اور خلوص کا خیال آتا رہا ورنہ جو جو باتیں آزادانہ طور پر میں نے کہیں اور جس خندہ پیشانی سے انہوں نے جواب دیئے میں ان سے متاثر ہوا۔ ورنہ دوسری جگہ تو خدا جانے کیا کیا القاب عطا ہو جاتے"۔

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ

فرزندانِ اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے ان کو کس کثرت سے واضح نشانات دیئے تھے؟

وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ

ہاں جو اللہ کی نعمت کے آنے (ملنے) کے بعد اسے تبدیل کر دے (اسے مسخ کر دے یا اس کی ناقدری کرے) تو

اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ کافروں کو یہ ورلی زندگی بہت خوبصورت نظر آتی ہے

وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا

اور (اسی بنا پر) وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ بات یوں ہے کہ تقویٰ شعار مومنوں کی فوقیت

فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ

قیامت کے روز ان کفار پر نمایاں ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا

تفسیر ع ۲۶ ۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے واقعات خود انہیں توجہ دلانے اور دوسرے لوگوں کی عبرت کے لئے بیان فرماتا ہے۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے پے در پے نشانات دکھائے۔ اور اپنی پیہم نوازشوں سے نوازا۔ مگر بنی اسرائیل کی اکثریت تمرد اور سرکشی اختیار کرتی رہی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا شکر ادا نہ کیا۔

دنیوی سامانوں کے تفاوت کو کافر اپنی فضیلت اور مومنوں کی حقارت کا ذریعہ گردانتے تھے کیونکہ ان کی نگاہ صرف دنیا تک محدود ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ دنیا خود چند روزہ ہے اور اس کا تفاوت ایک عارضی چیز ہے۔ اصل کامیابی اور غلبہ کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ واللہ یرزق من

سابق ... کے لئے الفرقان اپریل ۱۹۶۳ء ملاحظہ فرمائیں

بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ

بے حساب رزق عطا فرمائے گا ۔ لوگ جب (کفر و فسق میں غرق ہونے کے لحاظ سے) یکساں ہو جاتے رہے ہیں تو

اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

اللہ تعالیٰ بشارت دینے والے اور انذار کرنے والے انبیاء مبعوث فرماتا رہا ہے اور اس نے ان کے ساتھ اپنا سچا

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط

قانون بھی اتارا تا وہ لوگوں کے باہمی اختلافی امور کا فیصلہ فرمائے ۔ پھر کھلے دلائل آجانے کے باوجود

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا

خود اس قانون کے بارے میں ازراہِ حسد بغاوت وہی لوگ باہم جھگڑنے لگ پڑے جو اس قانون

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کے حامل بنائے گئے تھے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو ہدایت بخشی جن کا

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ

اختلاف حق کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے

یشاء بغیر حساب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہم مومنوں کو دنیا میں بھی بہتر زندگی دیں گے ۔ اور دنیوی فتوحات کے دروازے بھی ان پر کھلیں گے ۔

انسانوں کا **امّتِ واحد** ہونا یا تو بلحاظ **فطرت** ہوتا ہے کہ سب لوگوں کی فطرت یکساں ہے ۔ اور یا بلحاظ **ایمان** ہوتا ہے کہ سب کو مومن بنا دیا جائے ۔ اور یا بلحاظ لوگوں کے اعمال فسق و فجور کے انہیں **امت واحدہ** قرار دیا جاتا ہے ۔ آیت قرآنی ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفاً من فضۃ ومعارج علیھا یظھرون (زخرف ۳۴) میں انسانوں کے بلحاظ فطرت امت واحدہ ہونے کا ذکر ہے اور آیت ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء ویھدی من یشاء (نحل ۹۴) میں جس امّتِ واحدہ کے ہونے کی نفی ہے اس سے مراد سب لوگوں کا بلحاظ ایمان و ہدایت ایک ہو جانا ہے ۔ فرمایا کہ اگر ہم جبر کرتے تو ایسا ہو جاتا مگر دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے ۔ انسان اپنی مرضی سے گمراہی اختیار کرتے ہیں ۔ اور اپنی مرضی سے ہدایت پاتے ہیں ۔

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ اَمْ حَسِبْتُمْ

صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ کیا تم گمان کرتے ہو

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا

کہ تم یونہی جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ہنوز تم پر وہ حالت وارد نہیں جو تم سے پہلے لوگوں

مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى

پر آچکی ہے۔ ان کو (دشمنوں کی) جنگوں اور شدائد نے نیز بیماریوں اور مالی تنگیوں نے تکلیف پہنچائی

يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ

اور ان پر ہر قسم کے زلزلے آئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومن پکار اُٹھے کہ (اس کے بعد) خدا کی نصرت کب آئے گی؟

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا

تب انہیں کہا گیا خبردار (گھبراؤ نہیں) اللہ کی نصرت یقیناً قریب ہے۔ لوگ تم سے دریافت کریں گے کہ کیا اور کیسے

يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

خرچ کریں۔ تو انہیں کہدے کہ جو بھی پاکیزہ مال اور مفید چیز تم خرچ کرسکو وہ ماں باپ،

آیت کان الناس امۃ واحدۃ میں جس امت واحدہ کے ہونے کا ذکر ہے۔ وہ دوسری آیت ظھر الفساد فی البر والبحر کے مطابق یہ ہے کہ نبی کے آنے سے پہلے لوگ فسق و فجور کے لحاظ سے یکساں ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبیوں کو لوگوں کی ہدایت اور ان کے درمیان فیصلہ کے لئے بھیجتا ہے وہ مومنوں کے لئے **مبشر** ہوتے ہیں۔ اور کفار کے لئے **منذر**۔ پھر فرمایا کہ نبی کی امت میں بھی مرورِ زمانہ کے بعد اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ لوگ سرکشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ حق پرست گروہ کی تائید کرتا ہے اور ان کی ہدایت کے سامان کرتا رہتا ہے۔

جس طرح پہلی امتوں کے مومن ہزاروں بلاؤں، آفات اور مخالفتوں کے امتحانوں میں سے گذر کر مقرب بنے تھے۔ اسی راہ پر مسلمانوں کو چلنا ہوگا۔ انہیں بھی صبر و ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہئیے گویا انبیاء کی جماعتوں کے ساتھ یہ **سنت اللہ** ہے کہ اندرونی اور بیرونی مشکلات کے ذریعہ ان کی آزمائش ہوتی ہے۔ آخر کار خدائی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اور وہ کامیاب ہوتے ہیں۔

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا

دوسرے رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کی امداد میں خرچ کرو۔ تم جو بھی

تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

نیک کام کروگے اللہ تعالیٰ اُسے جاننے والا ہے۔ تم پر جنگ (بطور دفاع) فرض

الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ

کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں (اپنی امن پسند فطرت کے باعث) ناپسند ہے۔ بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو حالانکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ

وہی تمہارے لئے فائدہ بخش ہو۔ نیز ہو سکتا ہے کہ تم ایک بات کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے (بلحاظ انجام) بُری ہو۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ع ۲۶ ۱۰

درحقیقت اللہ ہی جانتا ہے اور تم پوری حقیقت کو نہیں جانتے۔ وہ لوگ تجھ سے عزت والے مہینے کے بارے میں یعنی اس میں

قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جنگ کرنے کے بارے میں پوچھیں گے۔ آپ انہیں کہیں کہ بلاشبہ ان مہینوں میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے مگر راہ خدا سے روکنا،

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔ مسلمانوں کو جو امن پسندی کی تعلیم دی گئی تھی اور صلح رحمی کا جو حکم دیا گیا تھا۔ اور بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی کا جو طریق بتایا گیا تھا۔ اس کے پیش نظر جنگ کی اجازت خواہ وہ دفاعی رنگ میں ہی تھی ان پر دوبھر تھی۔ وہ تو دنیا کو ہدایت یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر اب صورت یہ پیدا ہو رہی تھی کہ باہم جنگ ناگزیر نظر آتی تھی اور کشت و خون ضروری دکھائی دیتا تھا۔ اس صورت سے مسلمانوں میں بے چینی اور تکلیف پیدا ہونا لازمی تھا۔ اسی حالت کو اللہ تعالیٰ نے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم میں بیان فرمایا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے **اشاعت دین** کی خاطر جنگوں کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ جنگیں ان پر ان کی مرضی کے خلاف ٹھونسی گئی تھیں۔ اسلام کو اپنی اشاعت کیلئے کسی تلوار کی ضرورت نہیں۔ اس کی قوت برہانی ہر طرح سے کافی ہے اور بطور واقع بھی وہ کبھی تلوار کا مرہون منت نہیں ہوا۔

وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ

دین حق یا اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، عزت والی مسجد کی ناقدری کرنا اور اسکے اصل حقداروں کو وہاں سے نکال باہر کرنا خدا کے نزدیک عزت والے

عِنْدَ اللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ

مہینے میں جنگ کرنیکی نسبت بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ اور پھر فتنہ پیدا کرنا (مذہبی جبر و تشدد) قتل سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔ یہ لوگ تم سے جنگ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ

میں لگے رہیں گے تاوقتیکہ وہ تم کو تمہارے دین سے مرتد کرلیں اگر ان کے لئے ممکن ہو۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

ہاں تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائیگا اور کافر ہونے کی حالت میں مر جائے گا

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج

ان کے اعمال اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ضائع جائیں گے۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ

وہ دوزخی ہیں اور بہت لمبے عرصہ تک اس میں رہنے والے ہیں۔ یقیناً

تفسیر ۲۷: عربوں کے ہاں الاشہر الحرم میں ابتداء سے ہی جنگ ممنوع تھی۔ ایک اسلامی لشکر سے چاند کی تاریخ کے بارے میں غلط فہمی کی بناء پر بعض کافروں پر تیراندازی ہو گئی۔ اس پر کفر نے کہرام مچا دیا کہ اب عزت والے مہینوں کی حرمت کا بھی پاس نہیں کیا جا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اس اعتراض کا جواب دیا ہے فرمایا کہ ان مہینوں میں عمداً جنگ کرنا واقعی گناہ ہے۔ مگر اے کافرو! تم اس تنکے پر تو شور مچا رہے ہو۔ مگر اپنی آنکھوں کے ان شہتیروں کو نہیں دیکھتے۔ جنکے ذریعہ تم نے پورے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے اور سب کی مذہبی آزادی چھین رکھی ہے۔

منکرین کا یہ عام شیوہ ہے کہ مومنوں کی ذراسی غلطی پر تو شور مچاتے ہیں۔ اور اپنے کھلے مظالم کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ فرمایا کہ ان کی اصل غرض تو مسلمانوں کو راہ حق سے برگشتہ کرنا ہے۔ وہ اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہیں گے۔ اب مسلمانوں کا کام ہے۔ کہ وہ حق پر ثابت قدم رہیں۔ ورنہ مرتد ہونے والے اپنا ہی نقصان کریں گے۔ خدا کے دین کو نقصان نہ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا

اللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ

وہ بجا طور پر خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں - اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور

رَّحِیْمٌ ۝ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ

بہت رحم کرنے والا ہے - وہ لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کریں گے ۔

قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ

تو انہیں کہہ دیجیو کہ ان دونوں میں لوگوں کیلئے بڑا گناہ اور کچھ فوائد ہیں - مگر ان کا گناہ اور نقصان

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ

ان کے نفع کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے ۔ پھر وہ پوچھیں گے کہ ہم (جماعتی ضروریات وغیرہ پر) کیا خرچ کریں تم کہہ دیجیو کہ

پہنچا سکیں گے ۔

جنگ کے ساتھ **شراب** اور **جوا** عربوں کا شعار تھا۔ شراب سے جوش پیدا کرتے تھے۔ اور جوئے سے روپیہ جمع کرتے تھے۔ اس لئے جنگ کے ذکر پر ان کے بارے میں فوراً سوال پیدا ہوتا تھا۔ ان دونوں کی حرمت کا ذکر نہایت فلسفیانہ رنگ میں فرمایا ہے پہلے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان سے لوگوں کو کچھ فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر روحانیت کے لئے یہ دونوں سم **قاتل** ہیں معاشرہ کی تباہی میں ان کا بڑا دخل ہے۔ اس لئے اسلام ان کی اجازت نہیں دے سکتا۔ **اثمھما اکبر من نفعھما** میں حلت اور حرمت کے لئے **اصول** بیان فرمادیا ہے۔

جب جوئے کے ذریعہ اخراجات جنگ جمع نہ ہوں گے۔ تو پھر قومی ضرورت کے اخراجات کیسے فراہم ہوں؟ فرمایا العفو یعنی مقدور بھر کوشش کرکے اپنے اخراجات تنگ کرکے اس کیلئے بچت کرو۔ اس فردی اور قومی بچت کے طریق سے اخراجات مہیا کئے جائیں۔

جنگ کے ساتھ یتامیٰ کا سوال طبعاً پیدا ہوجاتا ہے۔ یتامیٰ کی کامل خبرگیری کو دین کا حصہ قرار دیا ہے اور اسے جماعت پر لازم ٹھہرایا ہے۔ ہر خاندان کو اپنے یتاموں کی

الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جو تم (ذاتی ضرورتوں سے) بچا سکو۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے لئے بیان کرتا ہے تا تم اپنے دنیوی امور

تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ

اور آخرت کے معاملات پر خود بھی غور کرتے رہو۔ وہ لوگ تم سے یتیموں کے بارے

عَنِ الْيَتٰمٰي ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ

میں دریافت کریں گے۔ ان سے کہو کہ انکی حالت کو درست کرنا (معاشرہ کیلئے) مفید ہے۔ اگر تم انہیں پوری طرح اپنے اندر شامل کرلو

فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ

تو وہ بہرحال تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد پیدا کرنے والے اور اصلاح کرنیوالے کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر

شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَا تَنْكِحُوا

وہ چاہتا تو تمہیں (اس بارے میں) تکلیف دہ احکام دیتا۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ مشرک عورتوں سے

خصوصی خبرگیری کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ یتیم کے دل سے احساس یتیمی کو امکانی حد تک کم کیا جائے۔ ارشاد خداوندی وان تخالطوھم ... فاخوانکم کتنا لطیف اور کس قدر معنی خیز ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ سچ یہ ہے کہ جو قوم اپنے یتیموں بالخصوص شہداء، مجاہدین کے پسماندگان سے بے اعتنائی اختیار کرتی ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر خود تبر چلاتی ہے۔

شادی کے بارے میں یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ مومنہ عورت سے ہی ہو یہی اعلیٰ درجہ کی شادی ہے اس سے نسل بھی محفوظ رہتی ہے۔ ہاں بدرجہ دوم کتابیہ عورتوں سے شادی کی اجازت ہے۔ مشرکہ سے شادی ناجائز ہے۔ مشرکوں اور غیر مسلموں سے کسی مومن عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

یہ قانون اسلامی معاشرہ کے لئے ایک بنیادی قانون ہے۔ جو دینی و دنیوی برکتوں کا موجب ہے۔

الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

(جو اہل کتاب ہوں) انکے ایمان لانے سے پیشتر شادی نہ کرو۔ ایماندار لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بدرجہا بہتر

مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

ہے خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند ہو۔ ایسا ہی مشرک مردوں سے مومن عورتوں کی شادی نہ کرو

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ

تاوقتیکہ وہ مومن ہو جائیں۔ ایماندار غلام آزاد مشرک سے بدرجہا بہتر ہے خواہ تم

اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اس مشرک کو کتنا بھی پسند کرو۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور اپنے اذن کے مطابق

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنے احکام واضح طور پر بیان کرتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۚ ۲۷ ع ۵ ۱۱

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

ضروری اعلان

الفرقان کے آئندہ شمارہ میں مجاہدِ سلسلہ محترم جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم مرحوم کا ذکرِ خیر ہوگا۔ اس سلسلہ میں آپ کو بھی دعوت دی جاتی ہے کہ اپنے تاثرات قلمبند کر کے ایڈیٹر الفرقان ربوہ کے نام ارسال فرمائیں +

صلیبی موت کے اسباب کا تجزیہ

از جناب میجر ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب

حضرت مسیح ابن مریم کی صلیبی "موت" کا حقیقی سبب صدیوں سے عیسائی دنیا کے لئے ایک ناقابلِ حل بلکہ ناقابلِ فہم معمہ رہا ہے۔ اور یہ سانحہ چرچ کے لئے ایک مسلسل سردرد کا موجب رہا ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔ کیونکہ جن حالات میں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اور جن معجزانہ حالات سے گذر کر ان کو صرف ½ ۲ گھنٹے صلیب پر رکھا گیا۔ ان کی روشنی میں کوئی اجڈ سے اجڈ گنوار بھی یہ باور کرنے کو تیار نہ ہوگا (اور نہ ہی اسوقت کے لوگ یہ مان سکے) کہ حضرت مسیحؑ واقعی اتنی جلدی اور اس قدر نرم اور تہذیبی سلوک کے باوجود اس زمانہ کی صلیب پر فوت ہو گئے تھے چنانچہ اس ضمن میں ہمیشہ نت نئی تھیوریاں مشنری لوگ پیش کرتے رہتے ہیں۔ جن کا رد ایک معمولی عقل کا ہر وہ انسان کر دیتا ہے۔ جس کو یہودی تاریخ اور صلیب دینے کے طریق کا تھوڑا علم بھی ہو اس لئے آجکل ایک نئی تھیوری پر زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ڈاکٹری علم کے ساتھ ہے۔ اس لئے وہ عوام کو جلد مرعوب کر سکتی ہے۔ یعنی "انشقاقِ قلب کی تھیوری"۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کا قلب رومن سپاہی کے نیزہ اور بعض کے نزدیک محض شدتِ رنج و غم اور تفکرات کے صدمہ سے ہی پھٹ گیا تھا۔ جس کا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں کہ سپاہی نے جب مسیح کے پہلو کو چھیدا تو فوراً خون اور پانی نکل آیا جو موت کی علامت اور انشقاقِ قلب کا ثبوت تھا۔

اس مقالہ میں انشاء اللہ صلیبی موت کے امکانی اسباب کا تجزیہ کر کے ان سب کی نفی کی جائیگی خصوصاً انشقاق قلب کی تھیوری پر ماڈرن تحقیق کی روشنی ڈال کر یہ بتایا جائے گا کہ حضرت مسیح کا انشقاق قلب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ کسی وجہ سے بھی اتنی جلدی صلیب پر فوت نہ ہو سکتے تھے۔

مگر تجزیہ سے قبل یہ ضروری ہے کہ ناواقف لوگوں کی واقفیت کے لئے رومن زمانہ کی صلیب کی تشریح کر دی جائے۔ تا واضح ہو کہ یہودیوں کی پھانسی ماڈرن پھانسی کی طرح نہ ہوتی تھی کہ گلے میں رسہ ڈال تختہ گرایا اور زندگی ختم۔ نیز وہ مغربی ممالک کی طرح گیس یا بجلی کی رو وغیرہ سے بھی مجرموں کو نہیں مارا کرتے تھے۔ بلکہ ان کا طریق

بہت سادہ مگر ظالمانہ تھا۔ کہ لکڑی کے کراس نما تختہ پر مجرم کو کیلوں سے گاڑ کر جنگل میں چھوڑ آتے۔ اور وہ وہاں کئی دن تک بھوک پیاس۔ سردی۔ گرمی۔ بارش آندھی وغیرہ عناصر کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جان دے دیتا تھا۔ اور جو سخت جان ہوتے ان کو زندہ دیکھ کر یہودی لوگ ان کی ہڈیاں بھی توڑ دیتے تھے تا جان جلدی نکل جائے۔ پس ہڈی کا توڑنا صلیبی موت کا یقینی سبب سمجھا جاتا تھا۔ جو کہ صَلب کے عربی زبان میں لغوی معنے ہیں۔

صلیبی موت کے امکانی اسباب کا تجزیہ

اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ صلیب پر لوگ (۱) شدت بھوک پیاس

اور عناصر کے مضر اثر (۲) زخموں سے خون کے نکلنے (۳) شدت درد اور اعصابی صدمہ (۴) یا زخموں میں پیپ وغیرہ پڑ جانے اور آخر میں (۵) ہڈیوں کے چور چور ہو جانے کے سبب سے مرا کرتے تھے۔ تو اب ہم ان سب اسباب کا تجزیہ کریں۔ کہ ان میں سے کون کون سے اسباب حضرت مسیح ناصری پر وارد ہوئے جو آپ کی جان لے سکتے تھے

۱۔ شدت بھوک اور عناصر کے اثرات

حضرت مسیح ناصری کو صرف ۳ یا ۳½ گھنٹے عصر کے وقت تک جمعہ کے روز صلیب پر رکھا گیا۔ اور یہ ایک موٹی بات ہے کہ اتنے کم عرصہ میں کوئی کمزور اور بیمار شخص بھی محض بھوک پیاس یا سردی۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے مر نہیں سکتا۔ حضرت مسیحؑ تو خوب تندرست ۳۳ سالہ نوجوان اور جری تھے

۲۔ جریانِ خون

کیلوں کے گاڑنے سے حضرت مسیحؑ کے جسم سے خون بھی زیادہ مقدار میں نہ نکل سکتا تھا۔ کیونکہ کیل گوشت کے نرم حصہ (پنڈلی) اور کلائی کے جوڑوں میں گاڑے گئے تھے۔ جو کسی بڑی شریان کو چھید نہ سکتے تھے معمولی جریان خون ضرور ہوتا رہا۔ جو صلیب پر سے اتارے جانے کے بعد بھی رِس رِس کر بہ رہا تھا۔ چنانچہ ان کے خون کے نشان اس کفن پر بھی موجود تھے۔ جو قبر کے اندر مسیح کے جسم پر تھا اور جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ پس صلیب سے اتارے جانے کے بعد بھی خون کا بہتے رہنا۔ ان کے زندہ ہونے کا ثبوت تھا۔ جو بعد میں مرہم عیسیٰ کے استعمال سے جلدی بند ہو گیا۔ اور زخم (بھی) مندمل ہو گئے۔

۳۔ شدتِ درد کا صدمہ

حضرت مسیح ایک نازک حواس اور پاک وجود تھے اس نے کیلوں کے زخم سے ضرور درد محسوس کیا ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں دماغی صدمہ بھی ضرور ہوا ہوگا۔ کیونکہ اس ظالمانہ طریق میں دماغی اذیت اور ہیبت بہت ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس صدمہ سے وہ جان بحق ہو گئے۔ چونکہ اکثر حواری اور بعض سپاہی بھی آپ کے خیر خواہ تھے اور پیلاطوس کی ہدایت کے ماتحت ان کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر کر رہے تھے۔ اس لئے ان کو صلیب پر بھی شراب اور مُر پینے کو دیا گیا جو کہ غالباً درد کی تسکین کے لئے مفید دوائی ہے۔ مگر عیسائی کہتے ہیں۔ کہ یہود نے دشمنی کی وجہ سے آپ کو سرکہ پینے کو دیا۔ جس سے تکلیف بڑھ گئی۔ جو یہودی تاریخ سے غلط ثابت ہوا ہے۔ پس درد کی شدت اور اس ظالمانہ نظارہ کی ہیبت سے حضرت مسیح بے ہوش ضرور ہو گئے تھے۔ مگر جلد ہی ہوش آ گیا۔ اور اسفنج کے ٹکڑے کو چوس لیا۔ جو ان کے حواس ٹھیک ہونے کا ثبوت ہے۔

۴۔ زخموں میں پیپ کا زہر

اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ڈاکٹری کی تاریخ میں ایسا کبھی واقع نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کسی سرجن نے یہ شہادت دی ہے کہ کسی زخم میں ۳، ۴ گھنٹوں کے بعد بھی پیپ پڑ جائے۔ کیونکہ بالعموم جراثیم کے حملہ کا اثر زخموں میں ۲، ۳ دن کے بعد جا کر ظاہر ہوا کرتا ہے۔

۵۔ ہڈیوں کا توڑا جانا۔

یہ تو خود مسیحی حضرات کو مسلّم ہے کہ مسیح ناصری کی ہڈیاں خلاف معمول توڑی نہ گئی تھیں۔ صرف ان کے رافقہ کے دو چوروں کی ہڈیاں توڑی گئی تھیں۔ یہ بھی

ان کے ساتھ نرمی اور ترجیحی سلوک کا ثبوت ہے۔ یہ خیال کہ چونکہ مسیح ناصری پہلے ہی مر چکے تھے۔ اس لئے ہڈیاں توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ محض ایک دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ دیگر سب اسباب ان کی موت کی نفی کرتے ہیں۔

۲۔ نیزہ سے پہلو چھیدنا

اس پر جرح انشقاق قلب کی تھیوری کے ذکر میں کی جائے گی

انشقاق قلب کی تھیوری کا ردّ

واضح ہو کہ قلب دو طور پر پھٹ سکتا ہے۔ (۱) چوٹ یا تیز دھار والے آلات کے زخم سے (۲) بعض امراض کے نتیجہ میں۔ جب سینہ پر کوئی وزن دار شئے گرے یا پسلی ٹوٹ جائے۔ یا کوئی تیز آلہ قلب کو زخمی کر دے۔ تو ایسے حوادث میں قلب صرف زخمی ہوتا ہے۔ مگر پھٹتا نہیں۔ یہاں تک کہ اگر بم کا ٹکڑا یا بندوق کی گولی بھی قلب کے آر پار نکل جائے تو معمولی جریانِ خون کے بعد قلب کا زخم خودبخود مندمل ہو جاتا ہے۔ اور مریض بالعموم بچ جاتا ہے۔ چنانچہ کتب میڈیسن کے مشہور مصنف ڈاکٹر پرائس نے لکھا ہے کہ قلب کا چوٹ یا زخم وغیرہ کے صدمہ سے انشقاق بہت شاذ چیز ہے اور مریض بچ سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ نیزہ وغیرہ کا زخم ہو۔ صرف تلوار اور برچھی وغیرہ کی ضرب سے اور سینہ کی ہڈی کے ٹوٹ جانے کی صورت میں قلب کا انشقاق ممکن ہے۔

دوسری بنیادی وجہ قلب پھٹنے کی مزمن امراضِ قلب ہے۔ مثلاً قلب کے عضلات کا نرم ہو جانا یا اس کی شریانوں کا بند ہو جانا۔ مگر یہاں بھی انشقاق بہت کم ہوتا ہے۔ قلب میں اجزاء شحمیہ (چربی دار) کی زیادتی بھی اس کا باعث ہے مگر ان امراض میں قلب صرف مشقت والا کام کرتے وقت پھٹتا ہے۔ انشقاق قلب کا ایک عام سبب دل کی دیواروں پر مرض آتشک کا اثر بھی ہے۔ انشقاق اگر مکمل ہو تو مریض فوراً مر جاتا ہے لیکن نامکمل ہونے کی صورت میں کئی دن تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر قلب کی شریانوں میں خون جم جائے تو اس کے نتیجہ میں قلب کی دیواریں نرم پڑ جاتی ہیں اور اس کے بعد قلب کے پھٹ جانے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ بالعموم ادھیڑ عمر والوں میں ہوتا ہے۔ نوجوانوں میں نہیں ہوتا۔ ایسے مریضوں کو بالعموم دل کے دَورے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

مگر آج تک کسی ڈاکٹر یا محقق نے یہ نہیں لکھا۔ کہ کبھی کسی شخص کا محض غم۔ تفکرات یا دماغی صدمہ کی وجہ سے تندرست قلب پھٹ گیا ہو۔ جب تک وہ پہلے کسی مزمن قلبی مرض کا شکار نہ رہا ہو۔

I۔ چوٹ وغیرہ سے انشقاق کا تجزیہ

سب اناجیل اس معاملہ میں خاموش ہیں اور صرف یوحنا نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ مسیح کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ یہ تو پہلے ہی مر چکا ہے تو انہوں نے اس کی ٹانگوں کو توڑنے کی ضرورت نہ سمجھی اور ایک رومن سپاہی نے نیزہ سے اس کے پہلو کو چھیدا۔ تو فی الفور زخم میں سے خون اور پانی نکل آیا"

(یوحنا باب ۱۹۔ آیت ۳۴، ۳۳)

بائبل کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ نیزے کا زخم مسیحؑ کی صلیبی موت کا باعث نہ تھا۔ بلکہ یہ ان کے مرنے کے بعد صرف اس لئے لگایا گیا تھا کہ ظاہر ہو کہ یسوع مر چکا ہے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ

حضرت مسیح ابھی زندہ تھے تو بھی نیزے کا ہلکا زخم ان کے قلب کو چیر کر انشقاق پیدا نہ کرسکتا تھا۔ اول تو نیزے کے ذریعے کیا ہوا ہلکا زخم قلب تک پہنچتا ہی نہیں۔ اور اگر وہ قلب کو زخمی کر بھی دے۔ تو بھی وہ اس کو پھاڑ نہیں سکتا۔ جیسا کہ جنگ عظیم کے تجربہ نے بارہا یہ بتایا تھا کہ سپاہیوں کے قلب سے بندوق کی گولیاں بلکہ بموں کے ٹکڑے آر پار نکل جاتے تھے۔ مگر قلب سلامت رہتا تھا۔ اور معمولی جریانِ خون کے بعد زخم مندمل ہو جاتا تھا۔

اس کے علاوہ اناجیل یہ نہیں بتاتیں کہ حضرت مسیح کی کونسی طرف کا پہلو چھیدا گیا تھا۔ دائیں یا بائیں۔ مگر گرجوں کی کھڑکیوں میں جو رنگدار شیشوں پر تصاویر بنائی جاتی ہیں ان سے اور حضرت مسیح کے کفن نے جس کا فوٹو حال ہی میں لیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دائیں طرف نیزہ مارا گیا تھا۔ مگر یہ ایک عامی شخص کو بھی معلوم ہے۔ کہ قلب انسانی سینہ میں بائیں طرف ہوتا ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے جب خون اور پانی والی دلیل پر جرح سنی تو انہیں فکر ہوئی کہ پانی کہاں سے لا دیں۔ جسم انسانی میں تو صرف سیال خون ہوتا ہے۔ تو انہوں نے دُور کی کوڑی لاکر اس مشکل کو بزعم خود حل کر دیا۔ اور ایک اور مضحکہ خیز تھیوری قائم کر دی۔ کہ قلب کا خون اوپر آ کر دل کے غلاف (شغاف) میں جمع ہو گیا تھا اور وہ جب جم گیا تو اس میں سے لوتھڑا اور پانی (سیرم) الگ الگ ہو گئے۔ اور یہی پانی نیزے کے زخم سے بہ پڑا مگر اس کی تردید مغرب کے عیسائی ڈاکٹروں نے اس وقت خود ہی کر دی تھی۔ اور اب تو ایک ماڈرن نامور سرجن بیلی (BAILY) نے بھی اس کی مدلل تردید کر دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ دل کے غلاف میں خون کا جمع ہو جانا بہت شاذ و نادر ہوتا ہے اور وہ بھی صرف اسی صورت میں جب زخم قلب کے اوپر کے خانوں (AURICLES) میں ہو۔ مگر قلب کے نچلے دو خانوں (VENTRICLES) کے زخم سے بھی خون غلاف میں جمع نہیں ہو سکتا۔ اور اگر زخم چھوٹا ہو تو اس کے لئے بھی کئی گھنٹے درکار ہیں۔ فی الفور نہیں ہو سکتا اور نہ نیزہ مارنے کے ساتھ ہی پانی نکل سکتا ہے۔ کیونکہ خون کے جمنے اور سیرم کے الگ ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ مگر بائیبل کہتی ہے کہ فوراً خون اور پانی نکل آیا۔ ہمارے عیسائی دوست یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پانی معدہ میں سے آیا تھا۔ کیونکہ حضرت مسیح کو صلیب پر سرکہ (شراب اور مُر) دیا گیا تھا۔ مگر اس میں بھی وہی دقت ہے کہ معدہ بھی بائیں طرف قلب کے نیچے ہوتا ہے۔ پھر اس میں ایک اور دقت یہ ہے کہ معدہ یا قلب کے کسی زخم میں سے پانی اور خون الگ الگ نہیں نکل سکتے (خصوصاً نیزہ کے ساتھ) بلکہ ضروری ہے کہ وہ دونوں مل کر نکلیں کیونکہ جلد اور پٹھوں کے زخم سے بھی خون نکل رہا ہوتا ہے۔ صرف ایک صورت میں پانی الگ نکل سکتا ہے اور وہ یوں کہ کوئی ماہر فن لمبی سوئی اور سرنج کے ذریعے پانی کو کھینچے۔ ان حالات میں ہم مجبور ہیں کہ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ (جسم میں سے خون اور پانی نکلنا۔ یہ تو کوئی محاورہ نہیں۔ اس کے معنے یہی ہیں) کہ سیال خون نکل آیا۔ ورنہ انجیل کا بیان ہی اگر درست ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پانی الگ چیز ہے اور خون الگ۔ اور خون کو سیال بنانے والی سیرم (مراد پلازمہ) (PLASMA) کے علاوہ کوئی اور بھی چیز ہے حالانکہ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں۔ پس اس کے معنی پانی اور خون کے نہیں۔ بلکہ بہتے ہوئے خون کے ہیں"۔ ظاہر ہے بہنے والا خون زندگی کی علامت ہے۔ نہ کہ موت کی۔ پس

حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اتارے گئے تھے اس امر کی تصدیق اس شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ جو حال ہی میں جرمن سائنسدانوں نے حضرت مسیح کے کفن کے فوٹوز لے کر پیش کی ہے۔ جس کا مطالعہ وہ آٹھ سال سے کر رہے تھے۔ اس تحقیق کا مختصر خلاصہ ناظرین "الفرقان" کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگا۔ اس کا مفصل ذکر سکنڈے نیویا کے ایک اخبار سٹاک ہالم (TIDININGEN) مورخہ ۲-اپریل ۱۹۶۷ء میں اسی کے ایڈیٹر CHRISTER-IDERLUMD نے کیا ہے۔ جو اس نے ایک DAS LINNER-KURT
HANS مصنف-BERNA
NABER-VERLAG-STULTGART
میں شائع شدہ۔ حضرت مسیح کے کفن کے فوٹو کو دیکھ کر لکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"جرمن سائنسدانوں کا ایک گروہ ۸ سال سے مسیح کے کفن کے متعلق تحقیق کر رہا تھا۔ جس کا نتیجہ حال ہی میں پریس کو بتایا گیا ہے۔ مسیح کا دو ہزار سالہ پرانا کفن اٹلی کے شہر جورن (JURIN) میں ملا ہے جس پر مسیح کے جسم کے نشانات ثبت ہیں۔ انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس چیز کو لوگ دو ہزار سال سے معجزہ خیال کرتے تھے وہ بالکل طبعی واقعہ ہے اور وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ مسیح ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ ۱۹۳۱ میں ایک فوٹوگرافر نے ۲۰ ہزار واٹس (WATTS) بجلی کی روشنی میں پھر تصویر لی تو معلوم ہوا۔ کہ کپڑے کے دوہرے نشان میں کیونکہ نصف حصہ مسیح کے جسم پر لپیٹا گیا تھا اور باقی نصف سر پر۔ پھر مسیح کے جسم کی گرمی (مردے کا جسم گرم نہیں ہوتا) اور دوائی کے عمل نے جسم کے نشانات کو کپڑے میں نقش کر دیا۔ اور مسیح کا تازہ خون کپڑے میں جذب ہو کر نشان بن گیا ....

دائیں پہلو پر بھالے کا گہرا نشان۔
کیل کے زخموں سے نکلے ہوئے خون کے نشان کمر پر صلیب کی رگڑ کے نشان۔
یہ سب چیزیں فوٹو میں دیکھی جا سکتی ہیں مگر سب سے تعجب انگیز حقیقت یہ ہے۔ کہ منفی فوٹو نے مسیح کی بند آنکھوں کو دو کھلی آنکھوں میں ظاہر کیا ہے....

...... تصویر یہ بھی بتاتی ہے کہ کیل ہتھیلی میں نہیں۔ بلکہ کلائی کے مضبوط جوڑوں میں لگائے گئے تھے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بھالے نے مسیح کے دل کو ہرگز نہیں چھوا۔ بائبل کہتی ہے کہ مسیح نے جان دے دی مگر سائنسدان مصر ہیں کہ دل نے عمل کرنا بند نہیں کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک گھنٹہ تک مسیح کے بے جان لٹکے رہنے سے خون کو خشک ہو کر ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ اور اس صورت میں خون ہرگز کپڑے میں نہ آتا۔ مگر کپڑے کا خون کو جذب کرنا بتاتا ہے کہ مسیح صلیب پر سے اتارے جانے کے وقت زندہ تھے۔

(منقول از پمفلٹ نشر و اشاعت)

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ رومن سپاہی نے حضرت مسیح کے پہلو کو بھالے سے کیوں چھیدا تھا۔ میرے نزدیک اس کے دو بڑے فوائد تھے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تمام پہرہ دار دل سے حضرت مسیح کے معتقد تھے اور پیلاطوس کی سفارش بھی تھی۔ اس لئے اس نے ارادۃً مسیح کی دائیں طرف نیزہ مارا۔ تا حضرت مسیح کے قلب اور معدہ کو زخم نہ ہو (جو کہ بائیں طرف ہوتے ہیں) اور اس سے اس کی دو اغراض تھیں۔ اوّل۔ یہ کہ اس طرح اس نے یہود قوم یہودیوں کی آنکھوں میں دھول ڈالی اور کہہ دیا کہ یہ تو فوت ہو چکا ہے۔ اس کی ہڈیاں توڑنا بے سود ہے اس کی لاش یوسف آرمیتھیا کو دے دو جو مسیح کا معتقد اور پیلاطوس کا دوست تھا۔ دوسری غرض یہ تھی کہ اس طرح مسیح کے دوستوں اور حواریوں کو بتا دیا جائے۔ کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ ان کو جلد مکان میں لے جا کر ہوش میں لاتے اور زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس کی یہ دوسری چال کامیاب ہو گئی۔ اور حضرت مسیح کو بچا لیا گیا۔

II انشقاق قلب کی دوسری قسم پر جرح

بعض محققین کی دوسری تھیوری یہ ہے کہ حضرت مسیح کا قلب بر نیزہ مارنے سے قبل ہی شدید رنج و غم اور دماغی صدمہ کے باعث پھٹ چکا تھا۔ مگر یہ تھیوری بھی نہ صرف بلا دلیل ہے بلکہ واقعات کے بھی خلاف ہے۔ ڈاکٹری کی کوئی کتاب بھی یہ نہیں کہتی کہ کسی تندرست انسان کا قلب محض صدمہ سے پھٹ سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مزمن مرض قلب کا موجود ہو تو اس صورت میں اس کا خفیف سا امکان ہے۔ مگر حضرت مسیحؑ کی زندگی کے حالات سے یہ ہرگز ثابت نہیں۔ کہ ان کو بھی قلب کا کوئی عارضہ تھا۔ یا دل کے دورے ہوا کرتے تھے۔ جن کو ANGINA PECTORIS کہتے ہیں۔ اور جن کے نتیجہ میں قلب کی شریانیں بند ہو کر اس کی دیواروں کو کمزور اور نرم کر کے انشقاق کا امکان پیدا کرتی ہیں۔ بلکہ انجیل بتاتی ہے۔ کہ وہ نہایت تندرست ۳۳ سالہ نوجوان تھے۔ زندگی نہایت سادہ اور پاکیزہ تھی۔ اور وہ ایک ندی کے کنارے رہا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ قلب کی مزمن امراض بالعموم ادھیڑ عمر میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ان کا ایک مشہور سبب قلب کی شریانوں میں آتشک کے اثرات ہیں۔ مگر حضرت مسیح تو صلیبی واقعہ کے وقت تندرست نوجوان تھے۔ اور ان کی زندگی (باوجود مجرد ہونے کے) نہایت پاکیزہ تھی۔ ہم ان کو خدا تو نہیں مانتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا نبی ضرور مانتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی یقیناً پاک تھی مگر کیا مسیحی حضرات یہ ماننے کو تیار ہیں۔ کہ ان کے خداوند کو ایک ایسا مرض ہوا تھا جو خبیث لوگوں کو خبیث تعلق کے نتیجہ میں لاحق ہوا کرتا ہے۔ پھر انشقاق قلب (امراض کے نتیجہ میں بھی) ہمیشہ مشقت کرتے وقت ہوا کرتا ہے۔ جب خون کا دباؤ بڑھ جائے۔ مگر اناجیل یہ نہیں بتاتیں۔ کہ یسوع مسیح نے صلیب پر سے اتر کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ یا پہرہ داروں نے کوئی دھینگا مشتی کی تھی۔ کہ کسی طرح جان بچ جائے۔ اور صلیب کی موت نہ مریں۔

پھر اس پر ہمارا عیسائی حضرات سے یہ سوال ہے۔ کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ یسوع مسیح نے بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ دینا تھا۔ اس لئے انہوں نے خوشی سے صلیب پر جان دے دی۔ لہٰذا ان کو کوئی رنج و غم یا صدمہ نہ ہونا چاہیئے تھا۔ پس رنج و غم اور دماغی صدمہ کے باعث انشقاق قلب

کا سوال اٹھانا مسئلہ کفارہ کی کھلی تردید ہے۔ اور آخر میں یہ عرض ہے کہ انشقاقِ قلب کا قطعی ثبوت موت کے بعد لاش کا اندرونی معائنہ ہی ہؤا کرتا ہے۔ مریض کی زندگی میں صرف ظاہری علامات سے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور کوئی ماہر سرجن بھی یہ حتمی طور پر نہیں کہ سکتا کہ فلاں مریض کا قلب پھٹ گیا ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح کا کوئی ایسا معائنہ نہ ہؤا تھا۔

پس ان حقائق کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ہرگز صلیب پر فوت نہ ہو سکتے تھے اور نہ ہی ہوئے۔ بلکہ وہ شدت درد کے باعث صرف بے ہوش ہو گئے تھے۔ مگر ان کو جلد ہی ہوش میں لایا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حسب وعدہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں میں تبلیغ کیلئے گئے۔ جس کے بغیر ان کی مماثلت حضرت یونسؑ سے ہرگز نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ صلیب سے بچ کر تبلیغ کے لئے جانا ہی اصل بنیاد مماثلت کی تھی۔ جس طرح حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکل کر اپنی قوم کی طرف گئے تھے ٭

امتحان میں کامیابی

محترمہ امۃ الکریم صاحبہ ادیب فاضل بنت مکرم مرزا برکت علی صاحب آف آبادان حال عراق لکھتی ہیں۔

"میری بہن عزیزہ امۃ المجیب ادیب فاضل نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے۔ اس خوشی میں مبلغ پانچ روپے اعانت الفرقان ارسال ہیں۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اس کامیابی کو مفید اور بابرکت کرے"

پشاور میں احمدی سائیکل سیاح

سائیکلوں پر ۴۷۶ میل تازہ سفر

قریشی محمد حنیف قمرؔ علوی ساکن موضع کنڈور ضلع میرپور آزاد کشمیر جو کہ قبل ازیں یوپی۔ اڑیسہ۔ بنگال۔ بہار۔ اور مغربی پاکستان میں سائیکل پر ۶۸۶۰۳ میل سفر کر چکے ہیں۔ اب ربوہ ضلع جھنگ سے ۲ ۵/۵۸ کو سائیکلوں پر روانہ ہو کر براستہ لاہور۔ راولپنڈی۔ کوہ مری میں ۱۴ ۸/۵۸ کو پہنچے۔ پھر کوہ مری سے واپس راولپنڈی آکر واہ فیکٹری۔ حسن ابدال۔ کیمبل پور شہر۔ جہانگیر ٹیکسٹائل ملز۔ اکوڑہ خٹک نوشہرہ شہر پہنچے اور بہت سے دیہات میں ٹھہرتے اور فضائل قرآن شریف پر تقریریں کرتے ہوئے معہ اپنے بیٹے حافظ محمد صادق بنگالی کے شہر پشاور میں ۲۸ ۹/۵۸ کو (قریباً پانچ ماہ بعد) پہنچ گئے۔ قریشی صاحب کی عمر ۶۳ سال ہے۔ اور ان کے سائیکل پر سفر کے سامان کا بوجھ ایک من ہے۔ اور محمد صادق کی عمر ۲۰ سال ہے۔ اور اس کے سائیکل پر ۲۵ سیر بوجھ ہے۔

اس سفر میں انہوں نے ۲۵ تقریریں کیں۔ اور ۸۰ دیہات و شہروں میں پیغام حق پہنچایا۔ ۲۰۰ ٹریکٹ تقسیم کئے۔ دونوں سیاحوں کی صحت اللہ تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ اب وہ مردان اور مالاکنڈ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ان کے سفر میں کامیابی اور برکت بخشے ٭

نصیر احمد قائد مجلس خدام الاحمدیہ پشاور

حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کو وعظ

سورۂ لقمان رکوع ۲ کی روشنی میں

جناب لطف الرحمان صاحب ناز۔ ربوہ

انسان کرے جو شکر تو اپنا ہی ہے مفاد
ناشکر جو ہے رکھے خدا کے غنا کو یاد

بیٹا! کبھی بھی شرک کو کرنا نہ اختیار
ظلم عظیم ہے یہ رہو اس سے برکنار

ماں باپ سے سلوک کی تاکید ہے شدید
اور جو کرے عقوق تو اس کو بھی ہے وعید

نو ماہ ماں پہلے بہت دکھ اٹھاتی ہے
دو سال بعد دودھ کہیں جا چھڑاتی ہے

ہاں شرک کرنے کو جو کہیں ماننا نہیں
یہ فرض اپنے نفس پہ پھر جاننا نہیں

دنیا کا جو ہو کام اطاعت ضرور ہے
اور پھر عقوق اس میں شرافت سے دور ہے

جھکتا ہے جو خدا کی طرف کر لو مقتدا
اور پھر سمجھ لو تم سے ہے راضی ہوا خدا

آؤ گے میرے پاس ہی تم خاص ہو کہ عام
بتلاؤں گا کہ کرتے رہے کیسے کیسے کام

رائی کا دانہ ہو گا اگر آسمان پر
یا وہ پڑا ہوا ہو زمیں یا چٹان پر

لے آئے گا اسے بھی خدا جو کہ ہے خبیر
حیرت کی بات کیا ہے بھلا وہ تو ہے قدیر

بیٹا! کبھی نہ چھوڑنا ہرگز نماز کو
آقا کے آگے جھکنا ہے ہر دم ایاز کو

گر ہو سکے تو لوگوں کو نیکی کا حکم کر
بدیوں سے ان کو روکنے کا پختہ عزم کر

چلنا نہیں ہے دنیا میں ہرگز غرور سے
ماتھے پہ بل نہ لاؤ ملو تم سرور سے

لازم ہے اعتدال پہ رفتار ہو تری
دھیمی خدا کے واسطے گفتار ہو تری

بدتر صدا جو پوچھو صدا ہے حمار کی
انسان ڈرا کے کرتا تو کیوں اختیار ہے؟

اے ناز تیرا فرض ہے کرنا ہے عمل
باتیں بیان کی ہیں جو لقمانؑ نے برمحل

سرورِ کونین کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وصال

۲۰ اپریل ۵۷۱ء — ۲۶ مئی ۶۳۲ء

[ذیل کا تحقیقی مقالہ جناب ڈاکٹر محمد شاہد اللہ صاحب پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی نے تحریر فرمایا ہے۔ جسے ہم روزنامہ آفاق لاہور ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء سے نقل کر رہے ہیں۔ اہل علم اصحاب کو اس تحقیق کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی جاتی ہے۔
اس تحقیق کا ایک دلکش پہلو یہ ہے کہ حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی تاریخ بھی ۲۶ مئی قرار پاتی ہے ———— (ایڈیٹر)]

اسلامی ممالک میں عام طور پر ۱۲ ربیع الاول کو مولود النبیؐ منانے کا رواج ہے۔ اسی تاریخ کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یوم وصال بھی قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے مسلمانوں میں دستور ہے کہ وہ "فاتحہ دوازدہم" پڑھتے ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار ان دونوں تاریخوں پر متفق نہیں ہیں۔ عہد جہانگیری کے مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلوی (ولادت ۹۵۸ھ وفات ۱۰۵۲ھ) اپنی عربی کی تصنیف "ما ثبت بالسنۃ" میں لکھتے ہیں کہ روایات میں ولادت نبویؐ کی چار تاریخیں مذکور ہیں۔ ۲ ربیع الاول۔ ۸ ربیع الاول۔ ۱۰ ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول۔ اس کا ذکر شیخ قطب الدین قسطلانیؒ نے بھی کیا ہے اور ائمہ احادیث بھی اس سے متفق ہیں۔ احادیث بیان کرنے والوں میں ابن عباس اور زبیر ابن مطعم قابل ذکر ہیں۔ پھر اس کی تصدیق حمیدی اور ان کے استاد ابن حزم نے بھی کی ہے۔ قضئی اپنی کتاب "عیون المعارف" میں لکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سیرت نگاروں کو اس روایت سے اتفاق ہے۔ السر ہری نے (جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی سیرت نگاروں میں سے تھے۔)

اس روایت کو محمد ابن زبیر ابن مطعم کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ محمد ابن زبیر کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ وہ عربوں کے علم الرجال کا ماہر تھا۔

مؤرخوں میں سے طبری اور ابن خلدون نے ولادت نبوی کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے۔ ابوالفداء کا بیان ہے کہ حضورؐ ۱۰ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اسکے برعکس ایک سیرت نگار حافظ مغلطائی کا خیال ہے کہ آپؐ کی تاریخ ولادت ۷ ربیع الاول ہے۔ متاخرین میں سے محمد طلعت بیگ عرب نے اپنی کتاب "تاریخ الدول عرب والاسلام" میں لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ یہ تاریخ مصر کے ایک ماہر فلکیات محمود پاشا نے نکالی تھی۔

مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد اکرم خان نے محمود پاشا فلکی ہی کا تتبع کیا ہے لیکن ان دونوں حضرات کے سوا کسی بھی جدید سیرت نگار نے ۹ ربیع الاول کا تذکرہ نہیں کیا اور اکثر مصنفین نے ۸ ربیع الاول ہی کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس، ابن یزید، ابن حزم، محمد ابن موسیٰ، خوارزمی، ابوالخطاب، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی،

شیخ نور الدین حلبی وغیرہ اسی تاریخ پر متفق ہیں۔
تاہم اجماع اس بات پر بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت دوشنبہ کے روز ہوئی۔ اسلئے تمام نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاول بروز پیر ہے۔ انگریزی سال کے مطابق یہ تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق ہے۔

اب یوم وصال کی طرف آئیے۔ اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پیر کے روز ہوئی۔ لیکن تاریخ کے متعلق اختلاف ہے۔ واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق کے نزدیک ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن ابن عقبہ، ابو نعیم، لیث اور خوارزمی کی رائے میں یکم ربیع الاول ہے۔ اس کے برعکس ابو مخنف، کلبی اور سلیمان التیمی کا خیال ہے کہ تاریخ وصال ۲ ربیع الاول ہے۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی تفسیر میں اور حافظ مغلطائی نے ۲ ربیع الاول ہی کو تسلیم کیا ہے لیکن مولانا شبلی نعمانی نے یکم ربیع الاول کو درست قرار دیا ہے۔ تاہم ماہرینِ علم نجوم نے ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات یکم ربیع الاول کو ہوئی۔

پھر تمام سیرت نگار اور مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع ۹ ذوالحج ۱۰ھ بروز جمعہ کو ادا کیا۔ اس تاریخ کو بنیاد مان کر دیکھنا چاہیئے کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کے لگ بھگ پیر کس روز تھا؟ قمری مہینہ چونکہ یا تو ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا اسلئے ذوالحج، محرم، صفر اور ربیع الاول کی تمام تاریخوں پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو پیر تھا۔
ایک جدید مصنف نے ۱۲ ربیع الاول پر اصرار کیا ہے لیکن اس تاریخ کو پیر اسی صورت میں آ سکتا ہے کہ محرم اور ذوالحج کی طرح صفر کو بھی تیس دن کا تصور کیا جائے جو ناممکن ہے کیونکہ قمری مہینے پے در پے تین دفعہ تیس دن کے نہیں ہو سکتے۔

شبلی نعمانی نے بھی یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہی کو صحیح تاریخ وفات قرار دیا ہے۔ اور اس کی تصدیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے بھی ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید کے دوسرے سیپارہ کی ۲۸۱ ویں آیت حجۃ الوداع کے روز نازل ہوئی جس کے بعد رسول کریم ۸۰ روز تک زندہ رہے۔ ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ سے ۸۰ دن یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہی کو ہوتے ہیں بشرطیکہ ذوالحجہ کو ۲۹ دن کا تصور کیا جائے۔

پھر ایک اور شہادت بھی موجود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آخری چہارشنبہ ماہ صفر میں آیا۔ جس کے بعد جمعرات کو آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور پھر ۱۷ اوقات کی نماز حضرت ابوبکرؓ پڑھاتے رہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال یکم ربیع الاول کو نماز ظہر سے پہلے ہوا۔ جمعہ کو چار وقت کی نماز، ہفتہ کو پانچ وقت کی نماز، اتوار کو پانچ وقت کی اور پیر کو ۳ وقت کی نماز ——— گویا ۱۷ اوقات کی نماز حضرت ابوبکرؓ پڑھاتے رہے۔ اس طرح آخری چہارشنبہ کی تاریخ ۲۵ صفر ۱۱ھ ہوگی۔
ایک اور حساب سے انگریزی تاریخ بھی نکالی جا سکتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند ابراہیم کی وفات ۲۹ شوال ۱۰ھ کو ہوئی۔ اس روز سورج کو گرہن بھی لگا تھا۔ از روئے نجوم یہ تاریخ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء تھی۔ لہذا حضورؐ کا یوم وفات یکم ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۶۳۲ء ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۷ جون ۶۳۲ء بتائی ہے جو صحیح نہیں ہے +

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا۔)